لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ

يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا (الاحزاب☆٢١)

تم لوگوں یعنی ایسے شخص جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور

کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو کیلئے رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

حجیت حدیث وسنت

اور

ضروریات دین میں منکرین حدیث کی کفریات

جس میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے قرآنی آیات سے حجیت حدیث وسنت کے متعلق ٹھوس دلائل اور شواہد جمع کئے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ منکرین حدیث کے اعتراضات کی دھجیاں بھی اُڑادی گئی ہیں نیز ان کے غلط عقائد پر بھی مختصر بحث کی گئی ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ان لوگوں کا دعویٰ تو بظاہر صرف انکار حدیث کا ہے لیکن دراصل اصول دین میں سے کوئی اصل ایسی باقی نہیں رہتی جس کا انکار ان میں سے کسی طبقہ نے نہ کیا ہو۔

مؤلف

امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ کے شاگرد رشید اور شیخ القرآن والحدیث مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ کے سلاسل اربعہ میں خلیفہ مجاز

شیخ القرآن والحدیث مولانا ڈاکٹر قاری عبدالستار مروت صاحب مدظلہ

ناشرین

ابنائے شیخ قاری تسکین اللہ مروت، قاری محمد الیاس مروت، قاری محمد ابراہیم مروت

''مروت ہاؤس'' شامی روڈ گارڈن سلطان قلعہ حسن گڑھی پشاور

نام کتاب............حجیت حدیث وسنت اورضروریات دین میں منکرین حدیث کی کفریات

نام مؤلف............شیخ القرآن والحدیث مولانا ڈاکٹر قاری عبدالستار مروت صاحب مدظلہٗ

ناشر............قاری تسکین اللہ مروت مکتبہ صفدریہ مروت ہاؤس شامی روڈ گارڈن پشاور

03464070976/03009598307

اللھم صل علی محمدوعلی اٰل محمدکماصلیت علی

ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انك حمید مجید

اللھم بارك علی محمدوعلی اٰل محمدکمابارکت علی

ابراھیم وعلی اٰل ابراھیم انك حمید مجید

اجمالی خاکہ

آئینۂ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد کچھ عرصہ پہلے پشاور میں ایک ''این جی او'' کا پروگرام منعقد ہوا تھا جس میں ائمہ مساجد اور طلباء کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔اس میں انہوں نے ایک عجیب دجل وتلبیس سے کام لیا تھا کہ ایک عبارت لکھ کر پہلے ایک آنے والے مہمان کو دکھائی گئی اور پھر اس کو وہاں دروازے کے پاس بٹھایا گیا جب دوسرا مہمان آیا تو اس پہلے آنے والے شخص سے کہا کہ اب تم اس دوسرے شخص کو اس عبارت کا مطلب زبانی سناؤ جو تمہیں دکھائی گئی تھی ۔اور یہ سلسلہ انہوں نے مجلس میں آنے والے آخری فرد تک چلایا۔جب آنے کا سلسلہ ختم ہوا تو اس مجلس میں سب سے پہلے آنے والے شخص سے کہا گیا کہ تم وہ عبارت یہاں بلیک بورڈ پر لکھو جو آپ کو دکھایا گیا تھا اسی طرح آخری شخص کو بھی کہا گیا۔دونوں کے تحریروں میں بہت بڑا فرق تھا جس پر اس این جی اوز کا ایک فرد کہنے لگا کہ تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ چند منٹوں میں ایک ہی عبارت میں کتنا واضح فرق آ گیا۔حالانکہ دونوں کی حقیقتاً ایک ہی عبارت تھی ۔لیکن یہ مولوی کہتے ہیں کہ احادیث پر چودہ سو سال گزرنے کے باوجود کوئی نقصان نہیں آیا ہے ۔یعنی اس پروگرام کا اصل مقصد حدیث وسنت پر عدم اعتماد کا اظہار کرنا تھا ۔افسوس صد افسوس اس دجل وتلبیس کے وقت کسی کے کان بھی جوں تک نہ رینگی ۔

اس پروگرام کی اطلاع شیخ القرآن والحدیث مولانا ڈاکٹر عبد الستار مروت دامت برکاتہم کو ملی ۔جس پر حضرت شیخ صاحب موصوف نے ''حجیت حدیث وسنت'' کے موضوع پر ایک تاریخی ،علمی اور تحقیقی خطاب فرمایا۔مضمون کی انفرادیت اور افادیت کے پیش نظر ہم نے

حضرت شیخ صاحب مدظلہ سے اس کے شائع کرنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے اس پر مزید تحقیقی کام کرتے ہوئے ایک کتابچہ کی شکل دے دی۔

اب کئی مخلص احباب کے حکم کی تعمیل میں ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے عوام الناس کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں اور منکرین حدیث کے شر سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائیں۔آمین۔

محتاج دعا:

(مولانا) تسکین اللہ مروتؔ بن شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالستار مروتؔ

سکنہ تجوڑی ضلع لکی مروت

03464070976/03009598307

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد کچھ عرصہ سے پورے ملک میں اسلام کے اصل ثانی یعنی احادیث کے خلاف ایک پروپیگنڈا شروع ہے کہ احادیث اسلام اور قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے اور یہ دراصل قرآن کو پس پشت ڈالنے کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے ۔ جو دوسری تیسری صدی ہجری کے اقوام متحدہ کا اسلام کے خلاف بنایا ہوا ایک پلان ہے ۔اسی وجہ سے ہمارے علاقہ میں بعض لوگوں نے عذاب قبر وغیرہ سے انکار کیا۔ یہاں پشاور میں رہنے والے بعض این جی اوز نے بھی حدیث کے خلاف بہت ہنر بازی اور مکاری سے مہم شروع کیا ہے۔

ہمارے اکثر علماء کرام اس کے مضمرات سے بے خبر اور غافل ہونے کی وجہ سے ان این جی اوز اور فرقۂ انکار حدیث وسنت کی طرف کچھ خاص دھیان نہیں دیتے لیکن ان احادیث سے انکار کی صورت میں اسلام کے لبادہ میں اسلام کا جو نقصان ہو رہا ہے وہ صاحب بصیرت افراد سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

دراصل یہ نظریہ پہلے دور کے بعض معتزلہ اور بعض خوارج نے قائم کیا تھا مگر ان کا انکار کسی علمی غلط فہمی کی بناء پر تھا لیکن انگریز کے غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد یہاں پاک و ہند میں انکار حدیث کا جو سلسلہ شروع ہوا' وہ کسی علمی غلط فہمی کی بناء پر نہیں تھا بلکہ دراصل ان کا مقصد اسلام کی بیخ کنی اور اسلامی احکامات سے پہلو تہی کرنی تھی ۔ چنانچہ یہ نظریہ سب سے پہلے سرسید احمد خان اور اس کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کیا لیکن ان دنوں انہوں نے انکار حدیث میں بہت مکاری اور عیاری سے کام لیا اس لئے انہوں نے صرف اس حدیث کا

انکار کیا جو ان کے اپنے مدعا کے خلاف ہوتی تھی۔ چاہے اس حدیث کی سند کتنا ہی قوی اور مضبوط کیوں نہ ہو۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا اور اس طریقہ سے پردے، معجزات، اور تجارتی سود وغیرہ کا انکار کرکے اپنے خبیث مطلب کے پورا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس فرقہ کو''اہل تجدد'' کا نام دیا تھا پھر ان کے بعد اس نظریے میں مزید ترقی ہوئی اور کسی قدر منظّم طریقے سے اس کی قیادت عبد اللہ چکڑالوی نے سنبھالی۔ اس نے اپنے اس فرقے کا نام ''اہل قرآن'' رکھا۔اس فرقے کا مقصد سرے سے حدیث کا انکار کرنا تھا۔اس کے بعد مرزا غلام احمد پرویزی نے اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھالی۔ چونکہ اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی اس وجہ سے یہ فتنہ انگریزی خوان نوجوان طبقہ میں بہت تیزی سے پھیلا۔

زمانہ گزرتا گیا فیلڈ مارشل ایوب خان کا دور آیا انہوں نے اپنے دور میں دینی اعتبار سے کچھ تبدیلیاں کیں ان تبدیلیوں میں ایک تبدیلی یہ بھی کرنی چاہی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے صدر چودھری غلام احمد پرویز علیہ ماعلیہ کو مقرر کیا جائے جس کی وجہ سے اس وقت کے علماء میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے اس کی خباثتوں کو جمع کرا کے اس کی بابت اہل عرب وعجم سے فتوی لینے کی کوشش فرمائی تا کہ یہ منحوس ان فتوؤں کی برکت سے اس مرتبہ پر فائز ہونے سے محروم کیا جا سکے۔

محدث العصر شیخ الحدیث علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے شیخ الحدیث مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کو حکم دیا کہ چودھری کو انہی کی کتابوں کے آئینہ میں سامنے لایا جائے۔ مفتی موصوفؒ نے اس پر خوب کام کیا اور ملک کے گوشے گوشے اور باہر ممالک کے بڑے بڑے مفتی حضرات کے ہاں اس خبیث کی ملعون قلم کے عبارات نقل کر کے بھیجے۔ جس پر تمام علماء کی طرف سے پرویز کے کفر کے فتوے آنے لگے۔ ان دنوں علامہ موصوفؒ نے ایک کتاب ''فتنہ انکار حدیث'' لکھی

جن میں یہ تمام فتوے درج تھے۔اور ان فتوؤں پر ملکی وغیر ملکی علماء کے دستخط تھے۔(آجکل یہ کتاب ختم نبوت کراچی کے دفتر سے مفت ملتی ہے۔) ان دنوں یہ شورش کچھ نہ کچھ سرد ہوگئی۔ اب پھر اس فتنہ نے سر اُٹھانا شروع کیا ہے۔

عزیزم مولانا محمد اورنگ زیب صاحب اعوان سلمہ الرحمٰن کی محبت نے مجھے اس فتنہ کی طرف متوجہ کیا۔اگر چہ فقیر کو اپنے ضعف علم کا بھی بہت احساس ہے لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور سید الکونین ﷺ کی شفاعت کی خاطر اپنے مقدور بھر کوشش صرف کرنے کو غنیمت سمجھتے ہوئے قلم اُٹھایا اور اس کے لئے اپنی ایک تقریر کو بنیاد بنایا جو کہ تقریباً تین سال قبل اسی فتنہ کے خلاف افتتاح بخاری کے موقعہ پر کہی تھی اور ان دنوں حوالۂ قرطاس ہوکر ماہنامہ "الـــــراحة" کے ایک شمارے میں چھپ چکی تھی ،لیکن مولانا محمد اورنگ زیب صاحب اعوان سلمہ الرحمٰن کے بار بار اصرار پر فقیر نے اس میں قطع وبرید اور مزید اضافات کر کے تقریر سے تحریر کے شکل میں یہ چند صفحات اللہ تعالیٰ کی رضااورشفاعت نبوی ﷺ کی امید کی خاطر لکھے۔اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے۔ آمین

یہ فتنہ کتنا عظیم نقصان دہ فتنہ ہے اس کا اندازہ آپ حضرات کو اس کتاب کے پڑھنے سے انشاء اللہ ہوجائے گا یہاں آپ حضرات کی خدمت میں مختصر عرض ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجود، حضرت آدمؑ کے وجود، نبوت ، ملائکہ کے وجود، جبرائیلؑ کے وجود، جنت ودوزخ کے وجود ،رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت ،رسول کریم ﷺ کے معجزات ،تقدیر، نماز، زکوٰۃ اور حج اور قربانی وغیرہ کے منکر ہیں۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور احادیث کے ماننے سے باغی ہیں۔

فقیر نے حجیت حدیث وسنت کے ثابت کرنے ،احادیث پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات دینے اور منکرین حدیث کے غلط عقائد کے متعلق اس کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے

باب اول : انسان کی دنیا میں آمد' اس کی ہدایت اللہ تعالیٰ کا انتظام اور حضرت محمد ﷺ کے فرائض منصبیہ

باب دوم: منکرین حدیث کا مختصر تعارف ان کے بیہودہ اعتراضات اوران کے ٹھوس دلائل کے ساتھ دندان شکن جوابات۔

باب سوم: منکرین حدیث کے غلط نظریات اورکفریہ عقائد اوران کے جوابات

اللہ تعالیٰ ہم سب کوان کے شرور سے محفوظ فرمائیں۔آمین۔

فقیر عبدالستار مروت غفرلہ' ولا بویہ سکنہ تجوڑی ضلع لکی مروت

حال خادم القرآن والحدیث مرکز علوم اسلامیہ راحت آباد، جامعہ صفدریہ للبنین وجامعہ صفیہ للبنات حسن گڑھی پشاور ۱۹ ذوالحجۃ ۱۴۲۸ھ/ ۳۰ دسمبر ۲۰۰۷م

0346 4070976/0300 9598307

(حال خادم الحدیث جامعہ بحرالعلوم کینال ٹاؤن پشاور وجامعہ دارالقراء نمک منڈی' جامعہ حفظ القرآن والتجوید شیخ آباد پشاور ومہتمم جامعہ مدنیہ وخطیب مدنی جامع مسجد اعجاز آباد اگلبہار ۴ پشاور)

۳ جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ ۳ مارچ ۲۰۱۷م

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ' ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا وقال تعالیٰ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ صدق اللہ العلی العظیم۔

باب اول:

انسان کی دنیا میں آمد، اس کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کا انتظام اور حضرت محمد ﷺ کے فرائض منصبیہ

خصوصی مہمان:

محترم قارئین کرام! ایک دور ایسا تھا کہ اس ساری کائنات کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تمام اشیاء ناپید تھے۔ اس میں کوئی انسان آباد تھا نہ حیوان' جمادات موجود تھے نہ نباتات' نہ یہ بحر ناپیدا کنار کا کوئی وجود تھا نہ اتنی وسیع وعریض اور ختم کا نام نہ ہونے والے ریگستان' نہ آسمان سے باتیں کرنے والے یہ اونچے اونچے پہاڑ تھے' نہ یہ پست زمین، نہ دن کا اجالا تھا' نہ رات کا اندھیرا' نہ دوپہر کی گرمی اور تپش تھی نہ صبح کی بادنسیم۔ نہ ستاروں کا ٹمٹمانا تھا' نہ شمس وقمر کا چمکنا' دمکنا اور مہکنا' نہ یہ رات دن کی آنکھ مچولی تھی اور نہ ان اسبوع وشہور کا تغیر اور ردوبدل۔ الغرض زمین وآسمان اور ان دونوں کے اندر اور جوف ومابین میں موجود اشیاء کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ سب اشیاء نیستی کے پردے تلے دبے ہوئے تھے اور ان کے ہست ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کو ایک خصوصی مہمان کا لانا منظور ہوا تو جیسا کہ ہمارے ہاں عام دستور ہے

کہ مہمان کے بلانے سے پہلے اس کے لئے مہمان داری اورمیزبانی کا سامان مہیا کیا جاتا ہے،اس کے لئے کھانے پینے اور رہائش وغیرہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں' پھر اس کے بعداس کو بلاتے ہیں۔اسی طرح جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت انسان کوزمین میں مہمان ٹھہرانا چاہا' تواللہ تعالیٰ نے اس کے لانے سے پہلے اس کے لئے زمین بچھائی ' آسمان کا خیمہ تانا' زمین میں قوتیں رکھیں' جمادات کی تخلیق فرمائی' دریا بہائے' آسمانوں میں چمکتے دمکتے اورٹمٹماتے ستاروں کا گلشن تیارفرمایا' سورج کا چراغ اور چاند کا بلب لٹکایا اوراس ساری کائنات کی تخلیق فرماتے ہوئے' اتوار کے روز سے ابتداءفرماکر جمعہ کی آخری ساعت میں حضرت آدمؑ پر انجام پذیرفرمائی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کے برابر تھا جیسا کہ قرآن مجیدفرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وانّ یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون ☆﴾(۱) یعنی اورآپ کےرب کے پاس کا ایک دن تمہارےشمار کےموافق ایک ہزارسال کے برابر ہے۔

چونکہ زمین وآسمان کی بناوٹ چھ دن میں مکمل ہوئی اورایک دن ہزارسال کے برابر ہوتا ہے،اس لئے اس حساب سے زمین وآسمان کی بناوٹ پورے چھ ہزارسال میں مکمل ہوئی اوراس پوری کائنات کے آخری مرحلہ میں حضرت انسان کولایا گیا جس میں اس نکتہ کی طرف اشارہ تھا، کہ یہی انسان اس پوری کائنات کا اصل خلاصہ، نچوڑ،مغزاورمقصد ہےلیکن یہ ہے چندد ن کا مہمان۔

چونکہ مہمان عمومی طور پرمہمان خانہ میں ہمیشہ رہنے کے لئےنہیں آتا، بلکہ چنددن گزارکروہ اپنے وطن واپس چلا جاتا ہے،یہی حال انسان کا بھی ہے کہ وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کیلئےنہیں لایا گیا بلکہ یہ ساری کائنات اس کی میزبانی کے لئے پہلے سے تیارکی گئی اورآخر

(۱)(الحج ☆۴۷)

میں خداوند کریم نے اس کی تخلیق کرنے کے بعد اس کو یوں مہمان کے طور پر ظاہر فرمایا کہ اول حضرت آدمؑ کو پیدا کیا' پھر جیسا کہ ہم پہلے مہمان کو سٹے (stay) کرانے کیلئے کسی آرام دہ جگہ پر بٹھاتے ہیں بالکل اسی طرح پہلے آپؑ کو چند دن تک جنت میں مہمان کے طور پر رکھا گیا پھر کسی خاص مصلحت کی خاطر آپؑ کو مع اپنی اہلیہؑ کے بوجۂ نسیان ایک حکم کی خلاف ورزی کرنے پر جنت سے زمین پر اتارا اور ساتھ ساتھ ان کو یہ وضاحت بھی فرمائی کہ یہاں تمہارا رہنا مستقل نہیں ہے بلکہ کچھ وقت کے لئے تمہیں یہاں دنیا میں رہنا ہے ارشاد ہوا﴿ **ولکم فی الارض مستقر و متاع الیٰ حین** ☆﴾(۱) یعنی اور تمہارے واسطے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے۔ پھر میرے ہاں واپس آنا ہے لیکن یاد رکھیں وہاں ہر ایک کے لئے کامیابی مقدر نہیں بلکہ جس نے اس زمینی حیات میں میری ہدایت کے مطابق زندگی بسر کی تو وہی شخص کامیاب وکامران ہوکر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حزن وملال اور غم سے آزاد ہوگا اور جنت میں دائمی اور ابدی زندگی سے مالا مال۔ لیکن جس نے میرے ساتھ کفر اختیار کیا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خائب وخاسر ہوکر نار جہنم میں رہیگا اور اس کو کبھی بھی اس آگ سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ ارشاد عالی ہوتا ہے۔﴿ **فاما یأتینکم منی هدی فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون** ☆ **و الذین کفروا وکذبوا بـاٰیٰتنا اولٰئك اصحٰب النار هم فیها خٰلدون** ☆﴾ (۲) یعنی پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جو میری ہدایت پر چلا ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ منکر ہوئے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

---

(۱) سورۃالبقرۃ ☆۳۶ (۲) ایضاً ☆ ۳۸'۳۹

ہدایت کے ذرائع:

اوپر دو فریق بیان کئے گئے۔ان میں ایک وہ فرقہ اور جماعت ہوگی ،جو گمراہی اور ضلالت ہی میں بھٹکتا ہوا پھرتا رہے گا اور دوسرا فرقہ وہ ہے کہ اور اگر وہ ہدایت کے طریقوں کو اختیار کرے گا تو ہدایت ہی ہدایت پا کر ہمیشہ کے لئے کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ اب یہ طریقے کونسے ہیں جن کے بغیر دونوں جہانوں کی ناکامی اور انکی اتباع سے فلاح دارین نصیب ہوتی ہے؟

حضرات محترم !اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ دو طریق اور ذرائع ہدایت ہیں ان میں سے ایک طریقِ ہدایت قانون الٰہی ہے جو منزل من اللہ ہے،اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے وقت میں قلوبِ انبیاء پر یہ قوانین کتب وصحائف کی شکل میں اتارے اور دوسرا طریقِ ہدایت ان اشخاص کا مقرر فرمانا ہے جن کے ذریعہ اس قانون الٰہی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔وہ حضرات اس قانون الٰہی کے احکامات کو ظاہر کرنے‘اسکی علتوں کو آشکارہ کرنے اور اس کے دلائل سے لوگوں کو تسکین پہنچانے والے ہوتے ہیں‘ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانی کی ہدایت کیلئے ایک ذریعہ کتُب اللہ کی شکل میں اور دوسرا ذریعہ رجال اللہ کی شکل میں رونما فرمایا۔چنانچہ ابتداء میں لوگوں کی ہدایت کے لئے صحفِ آدمؑ نازل فرمائے‘لیکن صرف ان صحیفوں کے بھیجنے پر اکتفاءنہیں فرمایا بلکہ اس کے سمجھانے کے لئے ساتھ ساتھ حضرت آدمؑ کی ذات بابرکات کو بھی بھیجا‘ تاکہ وہ لوگوں کو ان صحف کے معانی ومطالب اور مرادات ربانی سمجھا کر ان کی راہنمائی کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صرف صحف ابراہیمؑ پر اکتفاءنہیں فرمایا بلکہ ان صحیفوں کے سمجھانے کے لئے ان صحف کے نزول سے پہلے حضرت ابراہیم کو مبعوث فرمایا‘ تاکہ آپؑ لوگوں کو بتاسکیں کہ فلاں آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد ہے اور فلاں آیت سے یہ مراد۔اسی طرح اگر تورات کا نزول ہوا تو ساتھ ہی بلکہ اس سے پہلے موسیٰؑ کو بھیجا۔زبور کے

ساتھ حضرت داؤدؑ، انجیل کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور آخر میں قرآن کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات بابرکات کو مبعوث فرمایا' تا کہ یہ حضرات مرادات الٰہی لوگوں کو بتلائیں اور ان کو ان کتابوں کے حقائق سے روشناس کر کے سمجھائیں' تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے قوانین بنائے اور انہی قوانین کے سمجھانے کے لئے شخصیات کی بعثت بھی فرمائی۔ اسی عادت الٰہی کے تحت قرآن قانون حق بن کر آیا اور اس کے معلم کو حضور ﷺ کی شکل میں بھیجا، جیسا کہ خود فرماتے ہیں "انما بعثت معلما" یعنی بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور سردار دو جہان ﷺ کا یہی منصب خود قرآن پاک نے بھی بتایا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے چار فرائض منصبی:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں ہمارے نبی کریم ﷺ کے چار فرائض منصبی بیان فرمائے ہیں اور ان فرائض کو چند مقامات پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ☆﴾ (۱) یعنی وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول یعنی پیغمبر بھیجا کہ اُن کو اُس (اللہ) کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو پاک کرتے ہیں اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور بالیقین وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے: ﴿كَمَا اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ☆﴾ (۲) یعنی جیسا کہ ہم نے تم میں' تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا' کہ تمہارے آگے ہماری آیتیں پڑھتے ہیں اور تم کو پاک کرتے ہیں اور تم کو کتاب اور حکمت (یعنی اس کے اسرار) سکھلاتے ہیں اور تم کو

---

(۱) سورۃ الجمعۃ☆۲ (۲) سورۃ البقرۃ☆۱۵۱

وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہ جانتے تھے۔

نیز ارشاد الٰہی ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ☆﴾ (۱) یعنی بہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو کہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور اُن کو (شرک وغیرہ سے) پاک کرتے ہیں اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ بالیقین وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں۔

انہی فرائض کے سونپے جانے کی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوں دعا ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ ☆﴾ (۲) یعنی اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت کے اندر انہی میں سے ایک ایسے رسول مقرر فرمائیں جو ان کو آپ کی آیتیں تلاوت کریں اور ان کو کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کردیں۔ بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

پہلا فریضہ منصبی:

ان چاروں آیتوں میں آپ ﷺ کے چار فرائض منصبی بتائے گئے ہیں جن میں سے آپ ﷺ کا پہلا فریضہ یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان کو یہ قرآن پاک پڑھ کر سنائیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی تھی آپ ﷺ نے وحی الٰہی یعنی قرآن کے وہ الفاظ مِنْ وعَنْ پوری امانتداری اور دیانتداری کیساتھ امت کو پہنچادیئے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا یہ قرآن پاک سنانا ہمارے اور ہمارے بعد کے آنے والے تمام انسانوں کیلئے حجت رہے گی گویا الفاظ قانون الٰہی پہنچادیئے لیکن یہ فریضہ تو قرآن کے الفاظ کا پڑھ پڑھ کر

---

(۱) سورۃ اٰل عمران ☆ ۱٦٤ (۲) سورۃ البقرۃ ☆ ۱۲۹

سنانا ہوا جس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کا جو طریقہ نبی کریم ﷺ ہمیں بتائیں آپ ﷺ کا وہ طریقہ ہمارے لئے حجت ہوگا۔

دوسرا فریضہ منصبی:

نبی کریم ﷺ کا دوسرا منصبی فریضہ تعلیم کتاب ہے لیکن غور طلب ہے کہ اس کی کیا مراد اور مطلب ہے۔ اگر اس کی مراد بھی قرآن کریم کی آیات اور مربوط کلمات کو سنانا اور یاد کرانا ہی ہے تو یہ تلاوتِ آیات سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں عطف کے ساتھ استعمال فرمایا ہے اور آپ حضرات میں سے اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے۔ اب اگر وہی مطلب اس دوسرے فریضۂ منصبی سے بھی لے لیں جو پہلے فریضۂ منصبی سے لیا تھا تو پھر مغایرت نہیں آئی اس لئے اس مقام پر یقیناً اس دوسرے فرض سے مراد آیات کی تشریحات، اس کے معانی ومطالب کی توضیح، تبیین، تفسیر اور آیات کی حِکَم اور احکام کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا دوسرا کام اور فرض یہ بتایا ہے کہ اس وحی کے الفاظ کے معانی بھی سمجھائیں گے اور "یعلمھم الکتٰب" کا یہی مطلب ہے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذمے صرف قرآن پاک پڑھ کر سنانا نہیں رکھا کہ الفاظ تو نبی کریم ﷺ کے ذمے لیکن اس کے مطلب اور تشریح کی بابت لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیں کہ وہ جس طرح چاہیں اس پر عمل کرلیا کریں بلکہ اس کے برعکس نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم کیلئے مبعوث فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی تشریح میں آپ ﷺ ہی کی بات حرف آخر ہے۔

جب قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے فرائض رسالت میں جس طرح الفاظ وکلماتِ قرآن کی تلاوت وتبلیغ ہے اور آپ ﷺ ہی کا بتلایا ہوا پڑھنے کا طریقہ ہی حجت

ہے۔اسی طرح اس کے معانی ومطالب کا بیان بھی فرائض رسالت میں داخل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ ہی کی تشریح حجت ہوگی۔تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس طرح متنِ قرآن حجت ہے، اسی طرح اس قرآن کی نبویؐ تشریحات بھی حجت اور واجب القبول ہیں ورنہ آپ کو کتاب کی تعلیم کا مکلّف بنانا اور تعلیم کتاب کو آپ ﷺ کا منصبی وظیفہ بتلانا بالکل بے معنی ہوگا۔

الغرض ان قرآنی نصوص کی رو سے رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ''پیغام رساں'' ہونے کے ساتھ اُس پیغام کے معلم اور مبین بھی ہیں اور جب قرآنی نصوص سے آپ کا معلم ومبیّنِ قرآن ہونا ثابت ہو چکا تو جس طرح وہ شخص جو آپ ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان رکھتا ہے۔آپ ﷺ کے متن قرآن کی تلاوت وتبلیغ کما حقہ ادا فرمانے سے انکار نہیں کرسکتا اسی طرح وہ شخص نبی کریم ﷺ کی قرآن کریم کی تعلیم وتبیین کی خدمت کا حق ادا کرنے سے بھی انکار نہیں کرسکتا اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور سرورِ دوعالم ﷺ اس کے آخری نبیؐ ہیں اور اب کوئی نئی کتاب اور کوئی دوسرا نبیؐ آنے والا نہیں ہے اس لئے آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک ہر دور میں محفوظ وباقی رہنا ضروری ہے اور جب اس کی بقا ضروری ہے، تو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ کی قولی وعملی تشریحات وتوضیحات کا باقی رہنا بھی ہر دور میں منقول ومتداول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآنی نصوص کی رو سے نبی کریم ﷺ نہ صرف قرآن پاک کے معلم، شارح اور مبیّن ہیں بلکہ انہوں نے جس طرح متن قرآن کی تبلیغ فرمائی اسی طرح اس کی شرح وتبیین کا حق بھی ادا فرمایا۔اور آپ ﷺ کی تلاوت کا طریقہ اور تشریح قرآن ہی حجت ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن تا قیامت باقی رہنے والی کتاب ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تشریحات وتوضیحاتِ قرآن بھی الفاظ قرآن کے ساتھ باقی رہنا ضروری اور جزو لاینفک کی حیثیت کی حامل ہیں۔

تعلیم کتب کی صورتیں:

نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم دو طرح سے دی ہے۔ پہلے تو قرآن کریم کی قولی تشریح فرمائی پھر اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس سے بڑھکر خود اس پر عمل فرمایا اور اس عمل کے ذریعے اس کا مفہوم و مطلب سمجھاتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی صورت بھی متعین فرمائی۔ بالفاظ دیگر آپ ﷺ نے قولاً و عملاً دونوں طرح قرآن کریم کی تشریح فرما کر اس کے صحیح مطلب اور اس پر عمل کرنے کی صورت کا تعیین فرمایا۔

تعلیم کتاب کی قولی تشریح:

قولی تشریح کی بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ کبھی قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر فرماتے، یا کسی آیت کو ذکر کرنے کی بجائے صرف اس کی اشارہ فرماتے ہوئے اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے اور اگر اس سے کوئی حکم مستنبط ہوتا تھا، تو اس کو بیان فرماتے تھے۔

قرآن پاک کے قولی تشریح کی دوسری صورت یہ تھی کہ بعض اوقات نبی کریم ﷺ اپنے وہبی علم اور فہم مخصوص کی بناء پر کسی آیت سے ایک استنباط اور استفادہ فرماتے، لیکن اس وقت نہ قرآن کریم کی وہ آیت ذکر فرماتے اور نہ اس کی طرف اشارہ کرتے۔

پہلی صورت کی بہت زیادہ مثالیں ہیں، لیکن کتاب کے اختصار کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے صرف ایک مثال کے ذکر کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔ غور فرمائیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" قیامت کے دن حضرت نوحؑ کو حق تعالیٰ پکاریں گے (جس کے جواب میں) آپؑ کہیں گے: "لبيك و سعديك يارب" اللہ تعالیٰ پوچھیں گے۔ تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے

ہاں !اس کے بعد ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس نوحؑ نے ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔تب اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ سے فرمائیں گے کہ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت۔اس کے بعد امت محمدیہ گواہی دے گی کہ حضرت نوحؑ نے پیغام پہنچادیا تھا اور امت کی گواہی کی تصدیق رسولؐ (محمد ﷺ) کریں گے پھر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا☆﴾ میں یہی بیان ہے۔(۱)

قولی تشریح کی دوسری صورت میں احادیث نبویہ کا اکثر حصہ یا ان کی بہت بڑی تعداد داخل ہے یہ اور بات ہے کہ ایسی حدیثوں کا قرآنی ماخذ اپنے علم وعقل کی کوتاہی اور فہم کے قصور کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ایسی احادیث کی تعداد بھی کم نہیں البتہ تھوڑی سی توجہ،غور وفکر اور سوچ وتأمل سے کام لینے کے بعد سمجھ میں آجاتا ہے فقیر صرف ایک حدیث کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

حضرت ابوامامہؓ سے سنن دارمی میں اور حضرت علیؓ سے سنن ترمذی میں ایک حدیث شریف منقول ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا "من ملك زاداوراحلةً تُبَلِّغُهٗ الیٰ بیت اللّٰه ولم يَحُجَّ فلا عليه ان يموت يهوديااو نصرانيا" یعنی جو شخص زادراہ اور ایسی سواری پائے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچادے پھر بغیر حج کیے مرجائے تو اس پر کچھ مشکل نہیں کہ یہودی ہوکر مرجائے یا نصرانی ہوکر۔

اس کی نسبت خود ترمذی کی روایت میں اشارہ موجود ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ......الاٰية﴾ سے مستنبط ہے مگر روایت میں چونکہ پوری

(۱)صحیح البخاری کتاب التفسیر

آیت مذکور نہیں ہے۔اس لئے لوگوں کو اس کی استنباط کی وجہ سمجھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔پوری آیت سامنے ہو، تو اس کے آخری حصے سے وہ تہدید جو حدیث میں مذکور ہے ،صاف مفہوم ہوتی ہے۔پوری آیت کی تلاوت فرمائیے﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ☆﴾(۱) یعنی اورلوگوں پر بیت اللہ کے حج کرنیکا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، جو شخص اس کی طرف راہ چلنے کی قدرت رکھتا ہو اور جو کوئی کفر کا طریقہ اختیار کرے، تو پھر اللہ تعالیٰ جہاں کے لوگوں کی پرواہ نہیں رکھتا (تو حج نہ کرنے والے اس شخص کی کیا پرواہ کریں گے)۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں لیکن ہمارا موضوع سخن یہ نہیں ہے اس لئے اسی ایک ہی مثال پر اکتفاء کرتے ہوئے قرآن پاک کی عملی تشریح کی وضاحت کرتا ہوں۔

تعلیم کتاب کی عملی تشریح:

جب قرآن کی تشریح عمل نبوی ﷺ سے ہو جائے ،تو پھر جانبِ مخالف کی گنجائش نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے، کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے خوارج کے مقابلہ کے لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا تو ان کو بھیجتے وقت یہ نصیحت کی کہ ان کے سامنے قرآن سے دلیل پیش نہ کرنا بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کے قول وفعل سے دلیل پکڑنا۔جس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! مجھے حضور ﷺ نے "اللّٰھم علمه الکتٰب والحکمة" اے اللہ! ابن عباس کو کتاب یعنی قرآن مجید کا علم اور (اس کی) حکمت دے'' کی دعا فرمائی ہے۔تو آپ مجھے میرے اصل مضمون سے کیوں روک رہے ہیں؟ اس پر جناب علیؓ نے فرمایا کہ قرآن چونکہ اساسی اور دستوری کتاب ہے اس کی ایک ایک آیت بڑی جامع اور کئی کئی معنی پر فٹ ہوسکتی ہے۔اب اگر تم قرآن سے دلیل پکڑو گے، تو وہ اسی آیت سے "القراٰن ذو الوجوه"

---

(۱)سورۃ اٰل عمران☆۹۷

یعنی قرآن کئی وجوہ اور معانی رکھنے کی بناء پر اس سے ایک دوسرا مضمون ثابت کرنے کی کوشش کرے گا جو لغت کے لحاظ سے بھی صحیح ہوگا لیکن اگر سنت رسول اللہ ﷺ سے دلیل پکڑو گے، اور آپ ﷺ کے قول وفعل سے حجت پیش کرو گے تو جانب مخالف کی گنجائش نہیں رہے گی اور حق واضح ہو جائے گا۔

بہر حال نبی کریم ﷺ نے قرآن کی عملی تشریح فرمائی ہے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ قرآن کریم میں ایک حکم نازل ہوا آپ ﷺ نے اس حکم پر عمل کر کے لوگوں کو دکھایا جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے' اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا' مثلاً قرآن کریم میں اقامتِ صلوٰۃ کا تاکیدی حکم نازل ہوا ہے اور اس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی مثلاً قیام ،رکوع اور سجود وغیرہ کا ذکر بھی قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے مگر اس کے اجزاء کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کی پوری ترکیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی پس ان اجزاء کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کر کے نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل نبی کریم ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی۔

قرآن کریم میں "اقیموا الصلوٰۃ" کا حکم دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حکم پر تعمیل کس طرح کی جائے؟ اور اقامت صلوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟ اب اس سوال کا جواب سرور دو عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی "صلوا کما رأیتمونی اصلی" یعنی تم اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، میں ہمیں ملا۔ گویا سرور دو عالم ﷺ نے اس ارشاد سے ہمارے سوال کا جواب عنایت فرمایا اور صرف عملی طریقہ پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ بعض اوقات آپ ﷺ نے زبانی طور پر بھی اقامت نماز کی ترکیب ارشاد فرمائی ہے۔

اسی طرح حج کا حال ہے کہ قرآن پاک میں حج کی فرضیت کا حکم موجود ہے مگر اس کا

طریقہ کار،ارکان وواجبات اور ترتیب مناسک کا ذکرنہیں ہے۔اس لئے نبی کریم ﷺ نے خود حج فرما کر حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں لوگوں کو عملاً اس کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا" خذوا عنی مناسککم لعلی لااراکم بعد عامی ھٰذا" کہ لوگو!تم سب حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو! ہوسکتا ہے کہ اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھ سکوں۔اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ قرآن کریم کی تشریح اوراس کی تبیین وتوضیح صرف آپ ﷺ ہی کے قول یا عمل سے ہوسکتی ہے۔

فقیر کے کہنے کا خلاصہ یہ نکلا کہ سرور دوعالم ﷺ کی احادیث کا اکثر حصہ قرآن کریم کی تشریح یااس کے اجمال کی تفصیل ہےاور یا قرآن پاک کے کسی آیت سے استنباط ہوتا ہے جو﴿یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ ......﴾اور﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ﴾جیسے نصوص کے بموجب نبی کریم ﷺ کے فرائض رسالت میں داخل ہےاور یہی قرآنی نصوص وبینات ہم کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ تشریحات وتفریعات اور استنباطات بھی واجب القبول اورواجب الاتباع ہیں۔

تیسرا فریضۂ منصبی:

اب آیئے !قرآن کریم کی بیان کی ہوئی ایک اورحقیقت پر غور کرتے ہیں۔دیکھیں قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کا تیسرا فرض منصبی تعلیم حکمت کو ذکر کیا ہے یعنی آپ ﷺ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں گے۔یہاں ''حکمت'' کا عطف ''کتاب'' پر کیا گیا ہےاورعطف میں اصل یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ذاتی ہوگی۔یہاں حکمت اور کتاب کو عطف کے ساتھ ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں جن کی تعلیم دینا سرور دوعالم ﷺ کا کام ہےاورجمہور ائمہ لغت وعلماءقرآن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حکمت سے مرادقرآن پاک

کے علاوہ شریعت کے وہ احکام اور دین متین کے وہ اسرار ورموز ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مطلع فرمایا تھا۔ بالفاظ دیگر حکمت سے مراد نبی کریم ﷺ کی وہ احادیث ہیں جن کی گوہرافشانی نبی کریم ﷺ مختلف مجالس میں کرتے رہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے قرآن پاک کے ان اہل علم سے جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ سنا ہے کہ حکمت نبی کریم ﷺ کی سنت کو کہتے ہیں (۱) اور علامہ ابن جریر طبریؒ کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت احکام الٰہی کا علم کا نام ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ کے بیان (اور تشریح) ہی سے معلوم ہوسکتے ہیں ان کی اوران کی نظیروں اور مثالوں کی معرفت کو حکمت کہا جاتا ہے اور حکمت میرے نزدیک حکم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں۔

الحاصل یہاں حکمت سے مراد سنت ہے کتاب مراد نہیں اوراس مغایرت پر کتاب پر حکمت کا عطف دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ سنت وحکمت کی تعلیم دینا بھی نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے نہیں فرماتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ ﷺ پر اس کی بھی وحی ہوا کرتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً☆(۲)﴾ یعنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اُتاری اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔

اس آیت میں "الكتاب" اور "الحكمة" دونوں "انزل" کے مفعول بہ واقع ہوئے ہیں۔ جبکہ لفظ "اللّٰه" اس کا فاعل واقع ہوا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن پاک کو نازل نہیں فرمایا بلکہ قرآن پاک کے علاوہ حکمت بھی اتاری ہے۔ الغرض اس آیت میں ''نزول کتاب'' سے ''نزول حکمت'' کو مستقل' الگ اور جداگانہ طور پر ذکر فرمایا

(۱) الرسالۃ: ۸۷ (۲) سورۃ النساء ☆۱۱۳

گیا ہے۔جس میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس حکمت کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ کتاب یعنی قرآن پاک سے ایک جدا اور اضافی چیز ہے۔جس کا نبی کریم ﷺ پر نزول ہوا ہے۔پھر آگے اللہ تعالیٰ نے مزید تصریح کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ”آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے۔“ اب آپ ﷺ کو وہ باتیں جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے قرآن کریم کے ذریعے تو حاصل نہیں ہوئیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن سے اضافی چیز یعنی حکمت ہی کے ذریعے نازل ہوئی ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾(۱) یعنی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت جو تم پر ہے (اس کو) یاد کرو اور اس کو جو تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔

یہاں "الکتٰب" اور "الحکمۃ" دونوں کو "وما انزل علیکم" کا بیان واقع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی صرف ”قرآن مجید“ میں منحصر نہیں بلکہ ”حکمت“ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے منزَّل ہے۔

سورۃ احزاب کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن پاک کی آیتوں کی طرح (اس منزل من اللہ) ”حکمت“ کی بھی تلاوت کی جاتی تھی (جیسا کہ قرآن کریم کی تلاوت کا دستور تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ﴾(۲) یعنی اور تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھی جاتی ہیں، ان کو یاد کرو۔

اس آیت میں "مایتلیٰ فی بیوتکن" کیلئے "اٰیٰت اللّٰہ" اور "الحکمۃ" دونوں بیان واقع ہیں۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک گھروں میں قرآن کریم اور

---

(۱) سورۃالبقرۃ ☆ ۲۳۱ (۲) سورۃالاحزاب ☆ ۳۴

حکمت دونوں کی تلاوت ہوتی تھی اور ازواج مطہرات کو دونوں کے یاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

محترم قارئین کرام! غور کرنے کی بات ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں آیتوں کے علاوہ اور کس چیز کی تلاوت ہوتی تھی؟ جس کی ازواج مطہراتؓ نہ صرف پڑھنے پر بلکہ ان کے یاد کرنے پر بھی مامور تھے؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے عام دینی نصائح، اقوال، افعال اور دینی افادات وارشادات اور احوال ہیں۔ جس کے مجموعہ کو حدیث اور سنت کہتے ہیں اور چونکہ مذکورہ آخری دو آیتوں میں حکمت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے اس لئے اسی آیت سے حدیث وسنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور چونکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ علم وذکر اور اسی طرح کسی چیز کا حفظ کرنا بالذات مقصود نہیں ہیں بلکہ یہ عمل کیلئے مقصود ہیں اس لئے انہی آیات سے حدیث وسنت پر عمل کرنے کا وجوب بھی ازخود معلوم ہو گیا۔

شاید آپ کو کوئی دھوکہ دیتے ہوئے کہے کہ تلاوت کتاب سے ہی ہوتی ہے اور قرآن پاک تو کتاب ہے، لیکن حکمت اور سنت کتاب نہیں۔ اس لئے "یتلی" کا لفظ یہاں کتاب کے ساتھ ہے نہ کہ حکمت کے ساتھ۔ لیکن یاد رکھیں ازواج مطہراتؓ کے بیوت میں تلاوت اور پڑھ کر سنانے والے نبی کریم ﷺ تھے اور روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کتاب سے نہیں پڑھ سکتے تھے بلکہ زبانی بیان فرماتے تھے اس زبانی بیان کو تلاوت سے تعبیر فرمایا گیا اور زبانی بیان نبی کریم ﷺ صرف کتاب اللہ کا نہیں کرتے تھے بلکہ حکمت کا بھی فرماتے تھے اس لئے "یتلی" کا لفظ کتاب وحکمت دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔

اگر مزید غور کریں تو قرآن کی مذکورہ دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت یعنی سنت نبوی ﷺ بھی منزل من اللہ اور وحی الٰہی ہے جس کو محدثین کرامؒ وحی غیر متلو یا خفی اور قرآن کو وحی متلو اور جلی کہتے ہیں۔

ان دو آیتوں کے علاوہ قرآن پاک میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ

نے کسی ایک مضمون کا انتساب اپنی طرف کیا ہوتا ہے باوجود اس کے کہ وہ مضمون قرآن پاک میں موجود نہیں ہوتا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی صرف قرآن کریم تک محدود نہیں ہے بلکہ قرآن پاک کے علاوہ ایک اور قسم کی وحی بھی ہے جو باوجود وحی الٰہی کے قرآن پاک کا جزو نہیں ہے۔مثال کے طور پر فقیر چند آیتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔غور سے پڑھیں۔

تحویل قبلہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَاجَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ الاٰیة﴾(۱) یعنی اورہم نے مقرر نہیں کیا تھا وہ قبلہ کہ جس پر تم پہلے تھے مگر اس واسطے (ہم نے اس کو مقرر کیا تھا) کہ معلوم (یعنی ظاہر) کریں کہ کون رسول (ﷺ) کا اتباع کرتا ہے۔ان میں سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

قارئین کرام! اس آیت کا سمجھنا اس کے پس منظر اور شان نزول پر موقوف ہے۔وہ یہ ہے کہ نبی کریمﷺ کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے ابتدائی ایام میں حکم تھا کہ آپﷺ مع مسلمانوں کے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کریں۔

۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو نبی کریمﷺ قبا تشریف لائے اور اس وقت سے ۱۵ رجب ۲ھ یعنی سولہ ماہ تین دن تک آپﷺ مع مسلمانوں کے اسی حکم کے مطابق نماز پڑھتے رہے۔اس کے بعد قرآن کریم سے وہ حکم منسوخ ہوگیا اور آئندہ کیلئے نبی کریمﷺ اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مسجد حرام کو اپنا قبلہ بنا دیں اور نمازیں اس کی طرف منہ کرکے ادا کیا کریں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نبی کریمﷺ کو فرمان جاری ہوتا ہے:﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(۲) یعنی اب آپ (ﷺ) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور دوسرے مسلمانوں کو ارشاد ہوتا ہے:﴿وَحَیْثُ مَاكُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾(۳) یعنی

---

(۱) سورۃ البقرۃ☆۱۴۳ (۲'۳) ایضاً۱۴۴

اور جس جگہ تم ہوا کرو تو تم اپنا منہ اس (مسجد حرام) کی طرف پھیرو۔اس نئے حکم پر مشرکین، یہود اور بعض منافقین اعتراض کرنے لگے کہ اس سے پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں کیا حکمت اور ضرورت تھی؟ اگر مسجد حرام اور بیت اللہ ہی کو قبلہ بنانا ہی مقصود تھا تو پہلے ہی سے اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جاتا۔اللہ تعالیٰ نے اسی اعتراض کے جواب میں ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا ......﴾ نازل فرمایا جس میں بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے کی حکمت لوگوں کا پرکھنا بتایا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے ہیں یا نہیں۔

شان نزول سمجھنے کے بعد اس آیت سے اب ہم حدیث وسنت اور وحی غیر متلو کی حجیت پر یوں استدلال کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں بیت المقدس کے سابقہ قبلہ مقرر کرنے کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب فرمایا اور پھر اس کا مقصد لوگوں کا امتحان لینا بتایا جس سے یہ واضح ہوا کہ سابقہ قبلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے مقرر فرمایا تھا لیکن اگر ہم قرآن پاک کا خوب غور سے مطالعہ کریں تو ہمیں "الحمدللہ" سے "والناس" تک اس حکم کی بابت کوئی آیت ملتی ہے نہ اس حکم کا کہیں ذکر ملتا ہے اور نہ نبی کریم ﷺ نے کسی قرآنی حوالہ سے یہ حکم دینا ملتا ہے ورنہ قرآن پاک میں کہیں نہ کہیں ضرور مذکور ہوتا کہ رسول کریم ﷺ نے اس قبلہ کو اس لئے مقرر فرمایا کہ اس سے تمہارا امتحان لینا مقصود تھا اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: کہ ''ہم نے وہ قبلہ، جس پر تم پہلے تھے، اس لئے مقرر کیا تھا کہ یہ معلوم اور ظاہر کریں کہ کون رسول (ﷺ) کی پیروی کرتا ہے ان میں سے جو الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔''

اب غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں موجود نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اس حکم کو اپنا ہی حکم کیوں قرار دیا؟ تو اس سوال کا جواب اتنا واضح ہے کہ جس کی تشریح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔یعنی نبی کریم ﷺ پر قرآن کے علاوہ ایک علیحدہ قسم کی وحی کا نزول ہوا کرتا تھا جس کو قرآن پاک نے ''حکمت'' سے موسوم فرمایا ہے اور

عرف محدثینؒ میں اس کو حدیث' سنت اور وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ جو باوجود اس کے' کہ وہ وحی قرآن پاک کا جزو نہیں ہوا کرتی تھی لیکن پھر بھی اس کے احکام قرآنی وحی کی طرح واجب التعمیل ہوا کرتے تھے اور اس سے دوسرے مقاصد کے علاوہ ایک مقصد لوگوں کا پرکھنا اور امتحان لینا بھی ہوتا تھا کہ قرآنی حکم کے نہ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے فرمان کو واجب الاتباع مانتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ قرآن نے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ جس سے ہمارا مدعا یعنی سنت نبوی ﷺ اور حدیث کا حجت ہونا ثابت ہوا۔

رمضان کی راتوں میں جماع کا حکم:

قرآن پاک میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کے حکم کو جو قرآن کریم ﷺ میں مذکور نہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ جیسا کہ رمضان کی فرضیت کے شروع میں اگر کوئی شخص رمضان کی راتوں میں ایک دفعہ سو جاتا تھا تو اس کو اپنی بیوی کے پاس جانا ممنوع' ناجائز اور گناہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن قرآن میں اس کی حلت کا حکم دیکر اس سابقہ حکم کو منسوخ فرمایا گیا ہے اور سابقہ حکم کے توڑنے سے جو گناہ ہوتا تھا اس کے معافی اور درگزر کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَاكَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ الاٰية﴾ (١) یعنی روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا۔ وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے۔ سو اس نے تم کو معاف کیا اور تمہاری حرکات سے درگزر فرمائی اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو

---

(١) سورة البقرة☆١٨٧

چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے اس کو (اللہ تعالیٰ سے) طلب کرو۔

اب یہ سابقہ حکم کہ رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا ابتداء میں ناجائز تھا' کہاں ہے؟ قرآن پاک کے تیس پاروں میں کہیں بھی اس حکم کی نشانی تک نہیں ملتی۔ چہ جائیکہ قرآن پاک میں اس کا صریح حکم موجود ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے کتنے صریح الفاظ میں اس حکم کا ذکر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو کے ساتھ یہ حکم نازل ہوا تھا جس سے ہمارا مدعا حجیت حدیث وسنت ثابت ہوا۔

امہات المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا قصہ:

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَاِذْاَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا الایة﴾ (۱) یعنی اور جب نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی عورت سے یہ بات چھپا کر کہی' میں ذکر ہے: کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک زوجہ (یعنی حضرت حفصہؓ) کو اخفاء کی تاکید فرمائی تھی لیکن انہوں نے تاکید کے باوجود حضرت عائشہؓ کے سامنے اس راز کا افشاء کیا۔ اب اس راز کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے لیکن قرآن پاک کی کسی آیت میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ اطلاع وحی غیر متلو کے ذریعے ہی ملی تھی۔

احکام حج:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ......﴾ (۲) یعنی اور اس (اللہ تعالیٰ) کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو سکھلایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ حج کے دوران اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کا جو طریقہ تمہیں بتایا گیا ہے' اسی طریقہ سے اللہ کو یاد کرو۔ لیکن قرآن پاک میں کسی بھی آیت میں

---

(۱) سورۃ التحریم ☆۳ (۲) سورۃ الشوریٰ ☆ ۵۱

اس کی تفصیل نہیں ملتی جس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ "مـــا" میں ان ارشادات نبوی ﷺ کی طرف اشارہ ہے جن میں حج کی تفصیل مذکور ہے۔

عطف ارسال رسول علی الوحی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:﴿مَاكَانَ لِبَشَرٍاَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا ......﴾(۱) یعنی اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ بات کرے مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی پیغام لانے والا بھیجے پھر اس کے حکم سے جو وہ چاہے، پہنچاوے۔

اس آیت میں ارسال رسول کا وحی پر عطف کیا گیا ہے جو کہ مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارسال رسول کے بغیر بھی وحی ہوتی ہے اور وہ یقینی طور پر وحی غیر متلو ہی ہے۔

بدر کے موقعہ پر نزول ملائکہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾(۲) یعنی اور تحقیق اللہ تعالیٰ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور تم (اس وقت) کمزور تھے۔

یہ آیت کریمہ غزوۂ احد کے موقعہ پر نازل ہوئی جس میں غزوۂ بدر کے موقعہ پر فرشتوں کے نزول کی خوشخبری کا ذکر ہے لیکن قرآن پاک کے تیس پاروں میں کہیں بھی اس کا ذکر موجود نہیں ہے جس سے ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ انزال ملائکہ کا وعدہ یقیناً وحی الٰہی کی ایک دوسری قسم یعنی غیر متلو سے ہوا تھا۔

بدر کے موقعہ پر دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر غالب آنے کا وعدہ الٰہی:

اسی طرح جنگ بدر کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کفار کی دو جماعتوں

---

(۱)سورۃ البقرۃ☆۱۹۸(۲)سورۃ آل عمران☆ ۱۲۳

کی بابت فرمایا تھا کہ ان دو جماعتوں یعنی ابوسفیانؓ کی سرکردگی میں آنے والی جماعت اور ابوجہل کی سالاری میں مقام بدر آنے والی جماعت میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ آئے گی یعنی ان میں سے ایک فریق کے مقابلہ میں آپ حضرات کو فتح اور ان کو شکست نصیب ہوگی۔جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:﴿وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ﴾ (۱) یعنی اور جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی۔

پھر بعد میں اس وعدے کی تکمیل بھی ہوئی لیکن اس وعدے کا کوئی ذکر کہیں بھی قرآن کریم میں نہیں ملتا بلکہ مسلمانوں کو صرف نبی کریم ﷺ کی زبانی بغیر کسی قرآنی آیت کے حوالہ سے اس وعدے کی خوشخبری سنائی گئی تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری نبی کریم ﷺ کو منسوب کیئے بغیر اپنی ہی طرف منسوب فرمائی ہے جس سے واضح طور پر ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی قرآن پاک کے علاوہ وحی تھی۔

قارئین کرام! مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ ایک دوسری قسم کی وحی یعنی حکمت یا وحی غیر متلو نازل فرمایا اور اس سے ثابت شدہ احکام کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ جائز قرار دیا بلکہ اس کی اتنی تاکید فرمائی کہ ان احکام کو اپنے ہی احکام قرار دیتے ہوئے اپنی طرف منسوب فرمایا۔اس کی مزید توضیح کیلئے ایک اور مثال سنیں۔

قطع اشجار یہود:

مدینہ میں یہود کے تین قبیلے رہتے تھے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے خلاف تمہارے دشمن کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے اور نہ تم سے لڑیں گے لیکن ان میں سے ہر ایک نے اپنی سرشت کے مطابق عہد شکنی کی۔ان میں سے قبیلہ بنونضیر نے العیاذ باللہ نبی کریم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا جس کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے

---

(۱) سورۃ الانفال☆۷

دی گئی لیکن اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو دس دن کے اندر مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے جانے کا حکم فرمایا لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے ورغلانے کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ سے نہیں نکلے اور جنگ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے دس دن بعدان لوگوں کا محاصرہ فرمایا اوران کے کچھ کھجور کے درخت کاٹے' جلائے اور باقی کھجور برقرار سالم رکھے جس سے ان لوگوں پر ایک رعب طاری ہوا۔ دوسرے دشمنان اسلام بھی مرعوب ہوکر تعاون کرنے کی بجائے تماش بین بنے رہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب ان درختوں کو کاٹا تو منافقین نے بولنا شروع کیا کہ رحمۃ للعلمین بنے بیٹھے ہیں اور ادھر درختوں کو کاٹتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ یہ بعض کھجور کے درخت کاٹنا اور باقی کو برقرار رکھنا نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے چنانچہ ارشاد عالی ہوتا ہے: ﴿مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِيْنَةٍ أَوْتَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰىٓ أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۱) یعنی جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یاان کوان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ حکم قرآن پاک میں نہیں دیا گیا آخر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ان کو کس طرح ملا؟ کیا ان مسلمانوں پر وحی نازل ہوئی یا نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ حکم ملا؟ یقینی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ حکم ملا ہوگا اب سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی قرآنی آیت کا حوالہ دیا تھا یا نہیں؟ یہ بھی یقینی امر ہے کہ قرآنی آیت کا حوالہ نہیں دیا تھا کیونکہ قرآن پاک کے کسی آیت میں یہ حکم مذکور نہیں ہے اس لئے اس کا جواب صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ حکم قرآن کریم کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے بتایا ہے۔ جس سے ہمارا مدعا حجیت احادیث نبویؐ ثابت ہوا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر قرآن پاک کے علاوہ ایک دوسری وحی بھی

(۱) سورۃ الحشر☆۵

نازل فرمائی ہے اور وہ بھی اسلام کے احکام ثابت کرنے میں قرآن پاک کی طرح حجت ہے۔

قرآنی آیات کے علاوہ خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ جس طرح آپ ﷺ پر قرآن پاک اُتارا گیا ہے اسی طرح آپ ﷺ پر قرآن کی مثل ایک دوسری چیز یعنی سنت بھی نازل کی گئی ہے۔ چنانچہ امام ابوداودؒ، ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ، مقدام بن معدیکربؓ سے منقول ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: **"الاانی اوتیت القران ومثله معه"** کہ خبردار! بے شک مجھے قرآن عطا فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی اس کے مثل دی گئی ہے۔

قرآن وسنت کے انہی نصوص کی وجہ سے تمام ائمہ اور علماء سلفؒ کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ قرآن پاک میں مذکورہ آیات میں حکمت سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں وحی منزل من اللہ کی دو قسمیں کتاب وحکمت بتائی ہیں اور ان دونوں پر ایمان لانا اور ان پر عمل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب قرار دینا لکھا ہے انہوں نے مذکورہ آیات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کتاب تو قرآن ہے اور حکمت تو وہ باجماع سلف سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے جو خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی زبان سے جو خبر دی۔ وہ دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں یہ اہل اسلام کا متفق علیہ اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کا انکار وہی شخص کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کی مثل اور چیز (سنت) بھی دی گئی۔

یہاں ایک اور طریقے سے بھی بحث کرسکتے ہیں کہ حکمت کی دو قسمیں ہیں (۱) حکمت نظری وفکری اور (۲) حکمت عملی کہ عمل کا نمونہ پیش کریں گے، تعلیم کتاب میں حکمت نظری آ گئی کہ نبی کریم ﷺ مرادات ربانی قول کے ساتھ سمجھائیں گے اور حکمت میں عمل

کر کے دکھلانا اور نمونہ پیش کرنا آ گیا تو گویا کہ آپ ﷺ وہی کرتے تھے جو قرآن کہتا تھا اور آپ ﷺ کا عمل ہی قرآن کا نمونہ تھا اسی عمل کو حدیث، سنت اور اسوۂ رسول ﷺ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور جس کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم قرآن پاک نے واضح اور دوٹوک الفاظ میں دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوااللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ (۱) یعنی تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھلی چال اور اچھا نمونہ ہے اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی امید رکھتا (اور اس سے ڈرتا) ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت سا یاد کرتا ہے۔

اسوۂ حسنہ رسول ﷺ :

آیت مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ہر موڑ اور ہر حال کی چاہے خوشی کا ہو یا غم، امن کا ہو یا جنگ، کسی کی پیدائش کے وقت ہو یا فوتگی ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعل راہ بنانے کا حکم ہے۔

اتباع رسول ﷺ :

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے دعویداروں کو علی الاطلاق نبی کریم ﷺ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الاٰية﴾ (۲) یعنی آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو (اور اس دعوے میں سچے ہو) تو میرے پیچھے چلو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے صرف قرآن کے الفاظ سنو اور بس! کسی کے پیچھے چلنے کو نہیں کہتے؟

---

(۱) سورۃ الاحزاب ☆ ۲۱ (۲) سورۃ آل عمران ☆ ۳۱

تو جناب! اتباع کا یہ مطلب کسی زبان میں بھی نہیں ہے بلکہ یہ تو عقل وفہم سے بعید ہے البتہ علی الاطلاق اور مکمل پیروی کرنے کو اتباع کا نام دینا قرین قیاس ہے۔

الغرض اب آپ حضرات نے میری بیان کردہ معروضات میں کچھ غور وخوض کی ہوگی اور اب آپ کو یہ بات تسلیم کرنی دشوار نہیں ہوگی کہ قرآن کریم کے الفاظ میں جس طرح نبی کریم ﷺ اصل بتائے گئے ہیں اور آپ ﷺ کی سماع ہی پر قرآن پاک کا دار ومدار بتایا گیا ہے۔ اسی طرح کسی کا خود اپنی طرف سے سمجھنے اور اس کے مفاہیم کو متعین کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی بجائے نبی کریم ﷺ کا بیان کردہ مفہوم ہی مقبول ہوگا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگوں کے ذکر دہ مفاہیم کو درخورا عتناء ڈالا جائے گا۔ نیز جیسا کہ الفاظ ومعانی کی سمجھ میں نبی کریم ﷺ کو کسوٹی قرار دیا گیا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

حدیث وسنت:

اب یہ بات بھی ذہن نشین کریں کہ قرآن پاک کی یہ تبیین وتشریح اور حکمت جو نبی کریم ﷺ پر اتاری گئی نیز صحابہ کرامؓ نے جو سرور دو عالم ﷺ کی زندگی کا جو صحیح نقشہ کھینچا ہے ان سب کا ایک مشترک نام "حدیث وسنت" رکھا گیا ہے جس پر قرآنی نصوص نے عمل کرنا نہ صرف جائز بتایا بلکہ واجب الاتباع اور واجب القبول قرار دیا ہے۔

چوتھا فریضۂ منصبی:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے فرائض کو صرف کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنانے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینے پر پورا نہیں فرمایا بلکہ ان تین فرائض کے علاوہ ایک اور فرض "اپنی امت کی اصلاح، تزکیہ باطن، تزکیہ نفس اور اخلاق کی طہارت کا بھی سونپا۔" یعنی

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو صرف کتاب دینے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کو نظریاتی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح وتزکیہ کا عملی انتظام بھی فرمایا۔ تاکہ امت کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیمات کے طریقوں کے مطابق زندگی گزار کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔

باب دوم

منکرین حدیث کا مختصر تعارف اور ان کے بعض بیہودہ اعتراضات کے ٹھوس دلائل کے ساتھ دندان شکن جوابات

منکرین حدیث کا مختصر تعارف:

پہلی صدی ہجری تک جملہ صحابہ کرامؓ تابعین، حتیٰ کہ خوارج، شیعہ اور قدریہ وغیرہ تمام فرق اسلامیہ بلا اختلاف صحیح احادیث کو بلا کسی تفصیل کے متفقہ طور پر حجت تسلیم کرتے تھے اور اب بھی تمام فقہاء امت، جملہ علماء اہل سنت والجماعت اور جمہور امت محمدیہؐ کا قرآن پاک کے بعد دوسرے نمبر پر حدیث وسنت نبویہؐ کے حجت ہونے پر اجماع ہے اور اس کو بالاتفاق مدار اسلام، اَساسِ دین اور مأخذ احکام اسلام مانتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری کے بعد سب سے پہلے بعض معتزلہ اور بعض خوارج نے اس اجماع کا انکار کیا۔ جن کا اپنے اپنے دور میں مختلف علماء کرامؒ مثلاً امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام طحاویؒ، علامہ ابن قتیبہؒ علامہ ابن حزمؒ علامہ سیوطیؒ اور حافظ ابن قیمؒ وغیرہ نے خوب تعاقب کیا جس کی وجہ سے یہ باطل فرقہ دب گیا لیکن دور انگریز میں اس گمراہ کن فرقہ نے پھر سر اُٹھایا۔ یہ فرقہ دور حاضر میں ''منکرین حدیث'' ''پرویزیت'' جبکہ چند دنوں سے ''غامدیت'' کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

انکار حدیث اور قادیانیت کے پیروکار اکثر غیر مقلدین تھے:

اس فتنے کے نئے بانیین میں اکثریت ائمہ مجتہدینؒ کی تقلید سے نفرت کرنے والے، مغربی تہذیب کے دلدادہ اور مغرب کی تقلید پر فخر کرنے والے غیر مقلدین حضرات ہیں جنہوں

نے اپنی کم فہمی و کم علمی کے باعث پہلے تقلید کا انکار کیا پھر اس میں مزید ترقی کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی تقلید' اتباع اور اطاعت کو بھی ہمیشہ کیلئے (العیاذ باللہ) خیر باد کہہ گئے۔ چنانچہ علامہ محمد زاہد کوثریؒ فرماتے ہیں: ''تعجب کی بات یہ ہے کہ اکثر منکرین حدیث غیر مقلدین تھے۔ان لوگوں میں بعض رافضی ہو چکے ہیں اور بعض نورالدین جیسے غیر مقلدین قادیانی بن چکے ہیں وہ نورالدین جو مرزا قادیانی ملعون کا پہلا نائب تھا اور اس کے علاوہ (بعض) دوسرے (غیر مقلدین بھی قادیانی بنے جیسا کہ نواب صدیق حسن خانؒ کے تقریباً گیارہ دوست واحباب اور رفقاء مرتد ہو کر قادیانی بنے) کیونکہ عدم تقلید لا مذہبیت ہے اور لا مذہبیت الحاد کا ایک پل ہے۔''العیاذ باللہ۔

اسی بات کا شکوہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نیز خود ان کے غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی کیا ہے۔نواب صاحب موصوفؒ اگرچہ خود بھی لا مذہبیت کے شہسوار تھے لیکن جب ان کے تقریباً گیارہ ساتھی عدم تقلید کے جوش میں آ کر اپنے پیغمبر ﷺ کی تقلید واتباع کو بھی الوداع کہنے لگے اور اس کے برعکس مغرب کے پیدا کردہ مسیلمۂ کذاب آنجہانی مرزا قادیانی کے دست ناحق پرست پر بیعت کرنے لگے تو نواب صاحب موصوفؒ نے عدم تقلید کے مضرات پر قلم اُٹھایا۔

الغرض پاک و ہند میں سب سے پہلے ''نظریہ انکار حدیث وسنت'' دور حاضر کے روشن خیال اور انگریزی تعلیم و تربیت کے دلدادگان کے ہاں مقبول شخصیت ''سرسید احمد خان'' اور اس کے رفیق ''مولوی چراغ علی'' نے ظاہر کیا۔جس نے دیگر اسلامی عقائد اور اصولی مسائل کے انکار کے ساتھ ساتھ ''حجیت حدیث'' سے بھی انکار کیا تھا۔لیکن ان دنوں انہوں نے انکار حدیث میں مکاری اور عیاری سے کام لیا جیسا کہ آج کل غامدی ٹولہ کا وطیرہ ہے۔اس لئے صرف ان احادیث کا انکار کیا جو ان کے اپنے مدعا کے خلاف ہوتی تھیں چاہے اس حدیث

کی سند کتنا ہی قوی اور مضبوط کیوں نہ ہوتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا اور اس طریقہ سے پردے، معجزات اور تجارتی سود وغیرہ کا انکار کر کے اپنے باطل اور خبیث مطلب کے پورا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اسلام کی بیخ کنی کرتے ہوئے اسلام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا اور اس فتنہ کو ایک نیا رنگ دیتے ہوئے "اہل تجدد" کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کیا۔

پھر ان کے بعد اس نظریے میں مزید ترقی ہوئی اور کسی قدر منظّم طریقے سے اس کی قیادت "عبداللہ چکڑالوی" نے سنبھالی۔ یہ شخص ائمۂ مجتہدینؒ کا گستاخ، محدثین کرامؒ کو سب وشتم سے نوازنے والا، مسلک لامذہبیت کا پابند اور لاہور کے ایک مسجد کا پیش امام تھا۔ اس نے اپنے اس فرقے کا نام "اہل قرآن" رکھا۔ اس فرقے کا مقصد سرے سے حدیث کا انکار کرنا تھا۔

ان بدبختوں کے بعد "مولوی محمد اسلم جیراج پوری" اور "چودھری غلام احمد پرویز" نے اپنے غیر مقلدین آباء کی اقتداء وتقلید کو اپنے لئے باعث فخر گردانتے ہوئے اس فتنہ کو مزید ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ چودھری غلام احمد پرویز نے اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھالی۔ چونکہ اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی اس وجہ سے یہ فتنہ انگریزی خوان نوجوان طبقہ میں بہت تیزی سے پھیلا۔

"فیلڈ مارشل ایوب خان" نے اپنے دور اقتدار میں دینی اعتبار سے کچھ تبدیلیاں کیں جن میں ایک تبدیلی یہ بھی کرنی چاہی کہ "اسلامی نظریاتی کونسل" کے صدر "چودھری غلام احمد پرویز" علیہ ماعلیہ کو مقرر کیا جائے جس پر اس وقت کے علماء نے اس منحوس کو اس مرتبہ سے دور رکھنے کی بہت کوششیں کیں۔

پاکستان کے "ڈاکٹر فضل الرحمٰن"، مصر کے "طٰہٰ حسین" اور ترکی کے "ضیاء گوک الپ" بھی انہی بدبختوں میں شامل تھے۔

جیسا کہ پہلے آپ حضرات کو بتایا گیا کہ اس فرقہ کی ابتداء بعض معتزلہ اور بعض

خوارج نے کیا لیکن ان کے اور پرویزیت کے انکار میں کافی فرق ہے۔ معتزلہ کا انکار ایک اصولی اور علمی غلطی کی بناء پر تھا یہاں تک کہ ایک جماعت نے یہ تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے یعنی ہر دور میں اس حدیث کے دو دو راوی موجود ہوں تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے اس لئے وہ حجت ہوگی چنانچہ ابوعلی جبائی معتزلی کہتا ہے: کہ ''حدیث کی حجیت کیلئے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکار حدیث سے ان کا مقصد دین سے سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہوگئی تھی لیکن ہمارے دور کا فتنہ علم وفہم پر مبنی نہیں اس کا مقصد مذہب کی گرفت ڈھیلی کرنا اور اس کو ایسی صورت میں پیش کرنا ہے جو ہر سانچے میں ڈھلنے کے قابل ہو جائے۔ اس لئے اب انکار حدیث کیلئے کسی بڑی دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہی بلکہ صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے بقیہ تمام احادیث کو بے دلیل رد کر دیا گیا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے: کہ عقل کی پیروی کرنے والے سنن (اور احادیث) کے دشمن ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف سوال کرنے والے جب ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواب سے انکار کرنے کی صورت میں ان کو شرم دامن گیر ہو جاتی ہے احادیث یاد کرنے کی توفیق نصیب ہوتی نہیں تو اپنی رائے سے جواب دے دیتے ہیں اور اپنی عقل سے احادیث مبارکہ کا مقابلہ شروع کرنے لگتے ہیں تو اے لوگو! تم ایسے لوگوں سے بچتے رہو۔

بہرحال معتزلہ وخوارج کا انکار ایک اصولی غلطی کی بناء پر تھا جبکہ دور حاضر کے منکرین حدیث کا انکار بغض وعناد اور دین سے فرار کے سبب ہے۔

آج کل اس فتنۂ پرویزیت کو پاکستان میں بعض این جی اوز کا تعاون حاصل ہے۔

ان این جی اوز نے مختلف طور طریقوں سے احادیث کے خلاف ایک مہم شروع کی ہے جس کی

مدد کرنے والے امریکہ، فرانس اور بعض دوسرے عیسائی ممالک ہیں اور ہمارے پشاور میں ان این جی اوز کو پشاور یونیورسٹی کے بعض مقتدر شخصیات کے علاوہ پشاور کے بعض دینی مدارس کے مہتممین و منتظمین کا تعاون بھی حاصل ہے۔اسی طرح بعض دینی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سیاسی زعماء کی طرف سے بھی ان این جی اوز کو پذیرائی دانستہ یا نادانستہ طور پر حاصل ہے۔جن کی وجہ سے بعض دوسرے اہل علم اور اہل سیاست حضرات بھی ناخبری کے باعث انہی این جی اوز کو خوش آمدید کہتے ہیں لیکن یہ ایک عظیم فتنہ ہے۔اس فتنہ سے بچیں اور ان کی مجالس میں شامل ہونے سے پرہیز کریں۔یہ این جی اوز احادیث کے خلاف ہزار ہا زہر اُگلنے والے اور قسما قسم حربے استعمال کرنے والے ہیں۔یہ غیر مسلم، نیم مسلم این جی اوز پانی کی طرح مال و دولت بہا رہے ہیں جیسا کہ کچھ عرصہ پہلے ایک این جی او والوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ ائمہ مساجد کو جمع کرتے تھے اور پھر ان کو کچھ رقم بھی دیتے تھے۔ان دنوں یہ تحریک بڑے زور و شور کے ساتھ مختلف پروگرامات میں مصروف تھی آج کل بعض دینی مدارس میں انہی کی مدد سے ان کے منحوس پروگرامات منعقد ہوتے ہیں جن میں بعض پروگرامات عورت کے ووٹ ڈالنے کے متعلق تھے ان کے علاوہ بچوں کی رجسٹریشن کی بابت بھی علماء کانفرنس کے نام سے یہ منحوس پروگرام کیا تھا اور اس میں صوبہ سرحد کے جید علماء کو کسی دینی ادارے سے منسلک فرد کی طرف سے دعوت دی گئی تھی۔جو کہ ایک دجل وفریب سے کم نہیں تھا۔

فواسفا۔ چو کفر برخیزد ز کعبہ کجا ماند مسلمانی

اس کے علاوہ آج کل ہونہاروں کی اخلاقی بربادی وتباہی کا ایک سلسلہ کتب کے ذریعے شروع کرنے والے ہیں جو کہ یہ کتب وہ لوگ سکولوں میں مفت تقسیم کریں گے۔اس لئے ان سے اور ان کے زہر افشانی سے باخبر رہیں اور اس حربے کے ذریعے جوامت کے ایمان سے کھیلا جا رہا ہے چند ٹکوں کی خاطر اپنے دین کو خراب نہ کریں ورنہ خدانخواستہ وہ دن

دور نہیں کہ ہر مسلمان خاندان میں کم از کم ایک عیسائی پیدا ہوگا اور اس کے ذمہ دار آپ اور ہم لوگ ہوں گے۔اس لئے بروقت خود اپنے آپ اور عالم اسلام کی فکر کریں۔

آپ حضرات سے دوبارہ التماس ہے کہ ان اہل فتنہ کی مجالس سے اجتناب کیا کریں یہ دینی جماعتوں' اسلامی مدارس اور ائمہ مساجد کے زیر اہتمام مختلف پہلوؤں سے بظاہر دینی اجتماعات منعقد کراتے ہیں لیکن انہی مجالس میں اپنے بعض پمفلٹ تقسیم کرتے ہیں ان پمفلٹوں میں بعض پمفلٹ اور کتب ورسائل ان کے خفیہ بھی ہوتے ہیں اعلانیہ طور پر ان کو ظاہر نہیں کرتے ہیں مخصوص افراد کو دیتے ہیں ان میں اسلام کے خلاف زہریلی مواد ہوتا ہے اور اس کے آغاز میں ان علماء کے نام اور ان کے تعاون کا ذکر بھی ہوتا ہے جس میں بظاہر ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا ہوتا ہے لیکن دراصل لوگوں کے ورغلانے اور ان کو اپنے جال میں پھنسانے کیلئے ان علماء کا نام لوگوں کو یہ باور کرنے کیلئے لکھتے ہیں کہ ہماری جماعت کو ان علماء کی سرپرستی حاصل ہے۔ان علماء' مہتممین حضرات اور سیاسی زعماء سے فقیر دست بستہ درخواست کرتا ہے کہ ان اہل فتنہ کے حدیث وسنت اور اسلام کے خلاف سازشوں کو ناکام بنائیں اور اس فتنہ سے بروقت اپنے بیزاری کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے فریضہ کو پورا کریں ورنہ پھر ایک وقت آنے والا ہے کہ آپ حضرات واویلا کریں گے لیکن آپ کی ایک بھی نہیں سنی جائے گی مزید برآں اللہ تعالیٰ اور سید الکونین ﷺ کے حضور پیش ہونا ہے اس وقت کی شرمندگی اُٹھانی بڑی مشکل پڑے گی۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر فتنہ کے شر سے محفوظ رکھے۔آمین۔

منکرین حدیث کے بعض بیہودہ اعتراضات کے ٹھوس دلائل کے ساتھ دندان شکن جوابات:

قارئین کرام! آپ حضرات کے سامنے منکرینِ حدیث کا مختصر تعارف بیان کیا گیا

امید ہے اس فتنہ کو سمجھ گئے ہوئیں گے اور ان کا یہ قول آپ حضرات کو ایک وہم وخیال نظر آیا ہوگا کہ ''اسلامی احکام کے اثبات کیلئے صرف قرآن کریم ہی کافی ہے اور احادیث رسول ﷺ دین میں اس لئے حجت نہیں کہ رسول کا کام صرف ڈاکیہ کی طرح ہے کہ قرآن امت کے حوالہ کردے باقی اس کی توضیح کرنا اور اس کا مطلب سمجھانا نبی کریم ﷺ کے فرائض منصبیہ میں سے نہیں ہے بلکہ امت خود اس میں غور کر کے جو اس کا مطلب سمجھے اسی پر عمل کرنا ہی کافی وشافی ہے۔''

الحاصل احادیث ''مدار اسلام'' اور ''اساس دین محمدی ﷺ'' ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن چونکہ منکرین حدیث نے دجل وتلبیس سے کام لیتے ہوئے ان احادیث کا ہم تک پہنچنے کے متعلق کچھ اعتراضات بھی کئے ہیں۔ اس لئے اس دجل سے بھی باخبر ہونا ضروری ہے لہٰذا غور سے ان کے اعتراضات وجوابات پڑھیں۔

اعتراض ۱: رسول اللہ ﷺ کی کتابت کی ممانعت اور عجمی سازش:

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ احادیث کی تالیف ایک عجمی سازش ہے جو دوسری صدی ہجری میں مدون ہوئی۔ پہلی صدی ہجری میں (یعنی سو سال پہلے) ان کی کوئی تدوین نہیں ہوئی تھی اور نہ یہ کسی کے پاس تحریری شکل میں محفوظ تھیں۔ اس لئے ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد کیسے ان کو قابل اعتماد سمجھا جا سکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہوں گی ان میں یقینی طور پر کمی بیشی ہوئی ہے۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ناقابل احتجاج جان کر صرف قرآن پاک ہی پر اعتماد کیا جائے۔ ابتداء میں اس کی تدوین نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے اس ارشاد "لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القراٰن فلیمحه" (یعنی مجھ سے مت لکھا کرو اور جس نے مجھ سے قرآن پاک کے علاوہ جو کچھ لکھا ہے وہ اس کو مٹا دے) سے احادیث کے لکھنے کی ممانعت فرمائی تھی لیکن عجمی سازش نے

اس کو ضروری قرار دیتے ہوئے ان میں کتابیں تصنیف کیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں کسی عربی مصنف کی کتاب نہیں ملتی۔ صحاح ستہ کے مصنفین میں کوئی بھی عربی نہیں ہے۔

جواب:

جس طرح قرآن پاک ابتداء اسلام سے مسلمانوں کیلئے مشعل راہ اور مدار اسلام سمجھا گیا ہے اسی طرح احادیث بھی اساس دین شمار کی گئیں ہیں حتی کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی سنت رسول اللہ ﷺ کو دین کا ماخذ شمار کیا جاتا تھا جیسا کہ حدیث معاذؓ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ'' جب تمہیں کوئی معاملہ پیش آجائے تو کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟'' تو انہوں نے کہا: کہ'' میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔'' نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''پس اگر تم نے کتاب اللہ میں (وہ حکم) نہیں پایا؟'' (تو کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے)؟'' کہا: کہ'' سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (فیصلہ کروں گا۔)'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس اگر تم نے سنت رسول اللہ ﷺ میں (بھی) نہیں پایا۔ (تو پھر کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟) انہوں نے کہا: "اجتهد رأيي ولا آلو" کہ'' میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا۔'' "فضرب رسول الله ﷺ صدره وقال: "الحمدلله الذی وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله ﷺ"۔ (۱) تو آپ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ''تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے اللہ کے رسولؐ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پسند کرتے ہیں۔'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی احادیث ماخذ دین شمار ہوتی تھیں پس جب حقیقت یوں ہے تو کس طرح اس اصل دین کے لکھنے کی ممانعت کا حکم نبی کریم ﷺ فرماتے؟ ہاں بعض وجوہات کی

---

(۱) مسند احمد، دارمی، ابوداود، ترمذی

بناء پر وقتی اورعبوری ممانعت تحریری شکل میں ہوسکتی ہے لیکن اس کو حجیت حدیث کے انکار پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جس حدیث میں ممانعت کا ذکر ہے اسی روایت میں اس کے یاد کرنے کی اجازت بھی ہے۔

لطیفہ:

کہا جاتا ہے: ''کسی شخص سے سوال کیا گیا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟'' اس نے کہا: ''میں تو قرآن پاک پر عمل کرتا ہوں۔'' پوچھا گیا: ''وہ کس طرح؟'' تو کہنے لگا: کہ قرآن پاک کہتا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس لئے میں نماز نہیں پڑھتا تو دوسرے شخص نے جواباً کہا: کہ ''ذرا آگے تو پڑھو'' جس پر وہ کہنے لگا: کہ ''اتنے قرآن پر کسی کا باپ عمل کرے گا پہلے تو ایک ٹکڑے پر عمل کروں بعد میں دوسرے ٹکڑے پر عمل کرنے کو دیکھا جائے گا۔'' یہی حال منکرین حدیث کا ہے انہوں نے ایک حدیث کو ذکر کیا لیکن اس میں ایک ٹکڑا اپنے مطلب کا لیا اور دوسرا ٹکڑا جو ان کے مطلب کے خلاف تھا اس کو نسیاً منسیاً کرنے لگے۔

الحاصل یقیناً نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے اور ابتدائی ادوار میں احادیث کو تحریر کرنے کی ممانعت بھی فرمائی تھی لیکن اس ممانعت سے نبی کریم ﷺ کا مقصد حجیت حدیث کا انکار نہیں تھا بلکہ اسی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان حضرات کو زبانی روایت کرنے کا حکم بھی فرمایا تھا چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے "لا تكتبوا عني ومن كتب عني غير القراٰن فليمحه حدثوا عني ولا حرج ومن كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" (١) یعنی مجھ سے (سن کر) کتابت مت کرو اور جس کسی نے قرآن کریم کے سوا مجھ سے سن کر کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹا دے مجھ سے (سن کر) دوسروں کو بیان کرو اس میں

---

(١) صحیح مسلم : ٢/ ٤١٤

کوئی حرج نہیں ہے اور جو کوئی جانتے بوجھتے میری جانب جھوٹ منسوب کرتا ہے اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔

حدیث کے الفاظ سے خود یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ کتابت کی ممانعت کا مطلب حدیث کی حجیت کا انکار نہیں ہے۔ انکارِ حجیت تب ہوتا کہ نبی کریم ﷺ مطلقاً احادیث کی ممانعت کا حکم صادر فرماتے حالانکہ اسی حدیث میں جہاں کتابت کی ممانعت ہے وہاں تحدیث حدیث کا حکم بھی "حدثوا عنی ولا حرج" کے مبارک کلمات کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے ہم بلا تردد یہ بات کہہ کہتے ہیں: کہ کتابت کی ممانعت کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ حدیث نا قابل اعتبار ہیں بلکہ اس کی کوئی اور وجہ تھی جس کی وجہ سے یہ عبوری اور وقتی حکم جاری فرمایا گیا۔ اگر منکرین حدیث کے کہنے کے مطابق آپ ﷺ کا مقصد منع کتابت سے عدم حجیت حدیث وسنت ہوتی تو آپ ﷺ صراحت کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ ''مجھ سے حدیث بیان نہ کیا کرو۔'' جبکہ یہاں حال اس کا الٹ ہے وہ یہ کہ سرور دو عالم ﷺ حدیث کے بیان کرنے کی ممانعت فرمانے کی بجائے " حدثوا عنی ولا حرج" کے ساتھ حدیث بیان کرنے کی اجازت دے رہے ہیں اور جب حجۃ الوداع کا موقعہ آتا ہے تو اپنے تمام ارشادات بلا کسی قید کے "فلْیبلغِ الشاھدُ الغائبَ" یعنی حاضر غائب تک پہنچائے' کے فرمان کے ساتھ پہنچانے کا امر فرماتے ہیں جبکہ ایک موقعہ پر احادیث کے یاد کرنے اور جس طرح سنا ہے اسی طرح دوسروں تک پہنچانے پر تر و تازہ رہنے کی نبی کریم ﷺ بنفسِ نفیس دعا فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے: "نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا ثم أداھا کماسمعھاالی من لم یسمعھا" یعنی اللہ تعالیٰ سرسبز و شاداب اور تر و تازہ رکھے اس شخص کو جس نے میری حدیث سنی پس اس کو محفوظ رکھا اور پھر اس کو دوسرے ان لوگوں تک جنہوں نے نہیں سنی تھی اسی طرح پہنچائی جس طرح اس نے سنی تھی۔ ایک دفعہ دعا فرماتے ہیں: "رحم اللہ امرأ سمع منی

حدیثا فحفظه"(۱) یعنی اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شخص پر جس نے میری حدیث سنی اور پھراس کو یاد کیا۔

مذکورہ دلائل سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ کتابت سے ممانعت کا حکم حجیت حدیث سے انکار نہیں تھا اور العیاذ باللہ احادیث نبویؐ کے نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے یہ حکم کلی نہیں تھا جیسا کہ حدیث وسنت کے منکرین کا خام خیال اور وہم باطل ہے بلکہ یہ ایک جزوی' وقتی اور عارضی امر کسی عارض کی بناء پر تھا جو کہ صرف اور صرف اختلاط بالقرآن سے احتراز اور بچاؤ کی خاطر تھا جو کہ بعد میں منسوخ ہوا۔

فقیر کے اس دعویٰ کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداء میں صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ قرآن پاک کے نزول کے دوران ان آیات کی جو تفسیر نبی کریم ﷺ سے سنتے تھے ساتھ ساتھ وہی تفسیر بھی تحریر میں لاتے تھے۔ان صحابہ کرامؓ میں بعض ایسے حضرات بھی تھے جو بغیر کسی امتیاز کے' ان تفسیری نکات کو قرآن پاک کے ساتھ یکجا لکھتے تھے جس سے آئندہ آنے والی نسلوں میں آیات قرآنی کے ساتھ احادیث شریف کے خلط ملط ہونے کا شدید خطرہ تھا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے سداًللذ ریعہ یہ طریقہ منع فرمایا اور حکم جاری فرمایا کہ قرآنی آیات کے علاوہ اگر اور کوئی چیز لکھی گئی ہو تو وہ مٹا دی جائے یا کاٹ دی جائے اور چونکہ ان دنوں عام طور پر کاغذات دستیاب نہیں تھے اس لئے لوگ چمڑے کے ٹکڑوں' درختوں کی چھالوں' پتھروں کی تختیوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر اپنی تحریر کو وجود بخشتے تھے۔جس کی وجہ سے احادیث کو کتابی شکل میں محفوظ نہیں کیا جا سکا نیز اگر ان دنوں احادیث بھی قرآن کریم کی طرح کتابی شکل میں منظر عام پر آجاتی تو دونوں تحریروں میں فرق تلاش کرنا مشکل ہو جاتا کیونکہ ان دنوں قرآنی اسلوب سے پوری طرح آشنا نہ ہونا بھی اس خطرے کو مزید پیچیدہ بنا دیتا۔یہی وہ وجوہات

---

(۱)سنن ابی داود

تھیں جن کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو کتابت حدیث کی ممانعت اور اس کی بجائے حفظ و یادداشت، مذاکرے اور تعامل کے ذریعے حفاظت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ ان دنوں یہ ذرائع بھی قابل اعتماد تھے کیونکہ حافظے انتہائی قوی اور ضرب المثل تھے اور لوگ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے اور باندھنے کو نار جہنم سمجھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ جب لوگ قرآنی اسلوب سے مانوس ہوگئے نیز کاغذ بھی دستیاب ہونے لگا تو احتیاطاً دیا جانے والا یہ عبوری حکم بھی سرور دو عالم ﷺ نے واپس لے لیا کیونکہ قرآن اور حدیث میں خلط ملط ہونے کا جو خطرہ تھا وہ اب ٹل گیا تھا اور پھر نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے اجازت فرمائی بلکہ بعض اوقات لکھنے کا حکم بھی صادر فرمایا چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں: کہ ''احادیث کی کتابت مطلقاً کسی زمانہ اور کسی صورت میں بھی ممنوع نہ تھی بلکہ ممانعتِ کتابت صرف اس صورت کے ساتھ خاص تھی جب قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر میں آیات کے ساتھ ساتھ ''احادیث مفسرہ'' کو لکھ دیا جاتا تھا جیسا کہ بعض صحابہؓ کا یہ معمول تھا کہ قرآنی آیات کے ساتھ وہ نبی کریم ﷺ کے تفسیری وتشریحی اقوال بھی ساتھ لکھ لیا کرتے تھے اس التباس کے پیش نظر آپ ﷺ نے "ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه" کا حکم فرمایا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے ایک فرمان سے تائید:

امیر المؤمنین خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے ایک فرمان میں غور کرنے سے بھی ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپؓ بھی ایسی تدوین اور تحریر حدیث کے حق میں نہیں تھے جس میں قرآن وحدیث کا التباس اور اختلاط لازم آئے اور قرآن وحدیث کو ایک ہی جگہ جمع کردئے جائیں چنانچہ بعض کتب میں لکھا ہے: کہ بعض لوگوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر کتابیں لکھنی شروع کیں تو آپؓ فرمانے لگے: "وانی لا البس کتاب اللّٰه بشئ ابدا" کہ

میں کتاب اللہ کو کسی چیز سے ہرگز خلط نہیں کرونگا۔

قارئین کرام! مذکورہ بحث سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ کتابت سے ممانعت کا حکم صرف اختلاط بالقرآن سے احتراز اور بچاؤ کی خاطر تھا اور مذکورہ قسم کی تدوین وتحریر فقہاء اور محدثین کرامؒ کے ہاں اب بھی ممنوع ہے لیکن جس طرح کی تدوین حدیث علماء محققین وراسخینؒ نے فرمائی ہے وہ احادیث صحیحہ، آثار صحابہؓ وتابعینؒ سے نہ صرف ثابت ہے بلکہ اس قسم کی تحریر ماموربہ بھی ہے۔

الزامی جواب:

منکرین حدیث کو ایک الزامی جواب بھی دیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ اگر بالفرض ہم ممانعت والی حدیث کو علی الاطلاق تسلیم بھی کر لیں تو سوال یہ ہے کہ جب ان لوگوں کے نزدیک احادیث کا لکھنا منع فرمایا گیا تھا تو ان کو "لا تکبتوا عنی غیر القرآن الحدیث" والی حدیث تحریری شکل میں کیسی ملی؟ کیونکہ یہ بھی ایک حدیث ہے اور اس کو بھی تحریر میں لایا گیا ہے جبکہ تحریراً احادیث نا قابل استدلال ہیں تو خود اپنے ہی قول کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

بہرحال احادیث کی ممانعت کا حکم ایک عبوری اور وقتی امر تھا جو بعد میں منسوخ ہوا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر احادیث لکھا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا فرمان:

نبی کریم ﷺ کے سامنے اگر ایک مسلمان کوئی کام کرے یا نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملے لیکن نبی کریم ﷺ اس کو منع کرنے یا اس فعل پر رد کرنے کی بجائے اس پر سکوت فرمائے تو اس کو تقریر نبوی ﷺ کہتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی تقریر بھی حجت ہوتی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے کبھی احادیث لکھی گئی ہیں یا نہیں اگر لکھی گئیں تو کیا آپ ﷺ

نے اس پر رد فرمایا ہے یا سکوت؟ چنانچہ اس کے متعلق ہمیں حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ ارشاد ملتا ہے: "کنا قعودا نکتب ما نسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (۱) یعنی ہم (نبی کریم ﷺ کے پاس) بیٹھتے تھے جو آپ ﷺ سے سنتے اس کو لکھتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے سامنے یہ لکھنا بھی حجت ہوا لیکن یہیں پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ بہت سے شواہد و دلائل اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے بھی بعض اوقات ان احادیث کے لکھنے کا حکم فرمایا ہے جن میں سے مذکورہ دلائل کے علاوہ چند لائل کے پیش کرنے کی فقیر سعادت حاصل کرتا ہے۔

حدیث رافع بن خدیجؓ:

حضرت رافع بن خدیجؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کہ "جو کچھ ہم آپ ﷺ سے سنتے ہیں کیا ہم ان کو لکھیں؟" تو آپ ﷺ نے ان کو "اکتبوھا و لاحرج" (۲) کے فرمان سے اپنے ارشادات کے تحریر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

طبقات ابن سعدؒ میں انہی روایتوں کا ذکر ملتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سلمہؒ کا بیان ہے: کہ "میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس کچھ تختیاں دیکھیں وہ ان پر رسول اللہ ﷺ کے کچھ افعال کی احادیث لکھ رہے تھے جو انہوں نے حضرت ابورافعؓ سے حاصل کی تھیں۔" (۳)

نبی کریم ﷺ کا ہاتھ سے مدد لینے کا حکم:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انصار کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھتا تھا جو نبی کریم ﷺ سے احادیث سنا کرتا تھا اسے وہ حدیثیں پسند آتی تھیں مگر یاد نہیں رہتی تھیں پس اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس (یادداشت کی کمی اور احادیث کے بھول جانے)

---

(۱)مجمع الزوائد(۲)سنن الترمذی: ۲/ ۱۰۷' مجمع الزوائد: ۱۵۱(۳)طبقات: ۲/ ۳۷۱

کی شکایت کی کہ یارسول اللہ! (ﷺ) میں آپ سے حدیث سن لیتا ہوں تو مجھے (بہت) پسند آجاتی ہے لیکن میں اس کو یاد نہیں کرسکتا (یعنی مجھے آپ ﷺ کی وہ حدیث یاد نہیں رہتی) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "استعن بيمينك وأومأ بيده لِخطٍ"(۱) ''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لواور (یہ فرما کر) آپؐ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔''

دہن نبوی ﷺ سے نکلے ہوئے ہر قسم کے الفاظ کے لکھنے کا امر نبوی ﷺ:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: کہ'' کیا ہم ان احادیث کو نہ لکھیں؟'' تو فرمایا: کیوں نہیں! "اکتبھا" (۲) ان کو لکھو۔

آپ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت ہے: کہ''رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "قيدوا العلم" قلت وما تقييده ؟ قال" كتابته"(۳) یعنی''علم محفوظ کرلو'' انہوں نے کہا: کہ''اسے کس طرح محفوظ کیا جائے؟'' تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''اس کا لکھنا'' (محفوظ کرنا ہے) یہی حکم حضرت انسؓ سے بھی حافظ ابن عبد البرؒ نقل کرتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قيدوا العلم بالكتابة" علم کو کتابت کے ذریعے محفوظ کرو۔

الغرض سرور دوعالم ﷺ نے احادیث کو نہ صرف علم سے تعبیر فرمایا بلکہ تحریر کے ذریعے اس علم کو محفوظ کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا۔

یہی وہ وجوہات تھیں جن کی بناء پر حضرت ابن عمرو بن العاصؓ باوجودیکہ لوگ آپؓ کو منع کرتے تھے' احادیث کے تحریر کرنے سے دستبردار نہیں ہوتے تھے بلکہ بسا اوقات ان کو لکھا کرتے تھے چنانچہ احادیث کے لکھنے کا اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں: کہ میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا اور اسے زبانی یاد کرنا چاہتا تھا۔ تو (قریش کے بعض افراد

---

(۱)سنن الترمذی:ابواب العلم۲/۱۰۶(۲)مسند احمد(۳)مستدرك حاكم : ۱/۱۰۶،جامع بيان العلم:۱/۳

نے) مجھے (اس لکھنے سے) منع کر دیا اور کہنے لگے: ''کیا تم جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو اسے لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ آپ ﷺ (تو) انسان ہیں آپ ﷺ غصے اور خوشی (دونوں حالتوں) میں باتیں کرتے ہیں۔'' (ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح غصہ آتا ہے اور جیسا کہ دوسرے انسانوں سے غصہ میں بعض ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں جن کا لکھنا نامناسب ہوتا ہے آپ ﷺ سے بھی غصے کی حالت میں ایسی باتیں ہوسکتی ہیں۔) ان لوگوں کے منع کرنے کی وجہ سے میں لکھنے سے باز رہا اور رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو نبی کریم ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اکتب والذی نفسی بیدہ ما یخرج منه الا حق"(۱) یعنی (میری ہر قسم کے ارشادات کو) لکھا کرو۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے اس (دہن) سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے واضح اور مکمل حکم تھا کہ میری ہر ایک (حتمی) فرمان حجت ہے، چاہے غصہ کی حالت میں ہو یا کسی اور حالت میں۔

نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر تحریر شدہ احادیث: یمنی صحابیؓ کیلئے خطبہ لکھنے کا حکم:

فتح مکہ کے دوران ۸ھ میں نبی کریم ﷺ نے ایک تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انسانی حقوق پر مشتمل کئی شرعی احکام مذکور تھے۔ اسی مجمع میں ایک یمنی شخص ابوشاہؓ بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے لکھوا کر دینے کی درخواست کی جس پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو "اکتبوا لابی شاہ"(۲) کا باقاعدہ طور پر لکھنے کا فرمان جاری

---

(۱) سنن ابی داود:۲/۵۱۳، طبقات ابن سعد: ۴/۲۶۲، مستدرك حاكم: ۱/۱۰۵، ۱۰۶ (۲) صحيح البخاری: ۱/۱۸......یا۲۲، سنن الترمذی وقال ابوعیسیٰ هٰذا حدیث حسن صحیح: ابواب العلم:۲/۱۰

فرمایا۔یعنی ''ابوشاہ کیلئے (میرے اس خطبہ کو) تحریر کرو۔''

قارئین کرام! مذکورہ روایات میں نبی کریم ﷺ نے اپنی احادیث کے لکھنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ احادیث کے لکھنے کا امر بھی دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی ممانعت دائمی حکم نہیں تھا بلکہ ایک عبوری امر تھا پھر جب قرآنی آیات سے احادیث کے مختلط ہونے کا خطرہ ٹل گیا تو اس کی ممانعت اٹھالی گئی اور صحابہ کرامؓ کو لکھ کر محفوظ کرنے کا امر فرمایا بلکہ اس سے بڑھ کر خود بھی بعض احکام املاء کرا کر تحریری شکل میں امت کے حوالے فرمائے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

کتاب الصدقۃ کا تحریر کروانا:

آپ ﷺ نے ''کتاب الصدقۃ'' لکھوا کر اس کو اپنی تلوار کے ساتھ منسلک فرمایا تھا جس میں مذکور تھا کہ پانچ اونٹوں پر ایک بکری قابل زکوٰۃ ہے۔(۱) ابھی عاملین کے حوالہ نہیں فرمایا تھا کہ زندگی نے وفا نہ کی اور اپنے عاملین کو ارسال کرنے سے پہلے ہی داعی اجل کو لبیک فرمایا جس پر بعد میں آپ ﷺ کے خلیفۂ برحق ابوبکر صدیقؓ نے عمل فرمایا۔خلیفۂ اولؓ کی رحلت فرمانے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اس پر تادم آخر بطریق احسن عمل فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کی طرف یمن کے والی عمرو بن حزمؓ کو دی گئی تحریری کتاب:

اسی طرح ۱۰ھ میں نجران کے فتح کرنے کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کا والی اور گورنر مقرر فرمایا تو اس موقع پر حضرت ابی بن کعبؓ کو ایک مفصل کتاب لکھوائی جس کو اسی گورنر کے سپرد فرمایا گیا۔اس کتاب میں چند عمومی نصائح کے علاوہ طہارت، نماز، زکوٰۃ، عشر، حج، عمرہ کے علاوہ کئی انتظامی اور تعلیمی امور جیسے ٹیکس، دیت کے متعلق

---

(۱) جامع الترمذی: ۱/ ۱۳۵

وغیرہ احکاماتِ شریعت مذکور تھے چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں: "**وکتب رسول اللہ ﷺ کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزمؓ......**"(۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزمؓ کیلئے کتاب الصدقات، دیات، فرائض اور سنن لکھے۔

ان احکامات پر حضرت عمرو بن حزمؓ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ عمل کیا آپؓ کی رحلت کے بعد آپؓ کے پوتے کے پاس یہ کتاب رہی امام زہریؒ نے یہ مسودہ انہی سے پڑھا اور نقل کیا امام زہریؒ اپنے تلامذہ کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔آج کل بھی احادیث کی کتابوں میں اس کتاب کے متفرق حصے موجود ہیں اور اس کا مکمل متن "الوثائق السیاسیۃ فی الاسلام: ۱۰۴تا۱۰۹" میں دیکھ سکتے ہیں۔(۲) آج کل یہ کتاب "صحیفۂ عمرو بن حزمؓ" کے نام سے مشہور ہے۔

نبی کریم ﷺ نے صرف انہی دو کتابوں پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ مختلف صوبوں میں صحابہ کرامؓ کو گورنر نامزد فرمایا اور ان کو اسی قسم کی دستاویزات لکھوایا کرتے تھے تاکہ آپ ﷺ کی ہدایات کے مطابق وہ اپنی ذمہ داریاں اور فرائض نبھا سکیں چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ حضرت علاء بن حضرمیؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور مالک بن مرارہؓ کو آپ ﷺ نے قرآن پاک کے علاوہ دوسری دستاویزات عنایت فرمائیں تھیں جن میں احکام شرعیہ تحریر تھے۔

مختلف قبائل کے نام لکھے گئے بعض احکام:

مذکورہ احکام کے علاوہ مدینہ منورہ سے دور دراز علاقوں میں بسنے والے اسلام قبول کر لینے کے بعد مختلف قبائل اپنے وفود نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا کرتے تھے جو وہاں کافی مدت گزارتے تھے اس دوران وہ حضرات ان احکام پر عمل پیرا ہوا کرتے تھے۔اسی طرح بعض صحابہ کرامؓ جب اپنے علاقوں کو واپس تشریف لے جاتے تھے تو انہوں نے ہدایات

---

(۱) جامع بیان العلم باب الرخصۃ فی کتاب العلم (۲) حجیت حدیث: ۱۳۳،۱۳۴

لکھوانے کی درخواست کی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا تھا چنانچہ سیدنا وائل بن حجرؓ سے صراحتاً درخواست ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے **"اکتب لی الی قومی کتابا"** یعنی میرے لئے ایسی ایک کتاب لکھوا دیجئے جس میں میرے قبیلے سے خطاب ہو تو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے تین دستاویزات لکھوائیں۔(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور مختلف افراد کے نام اسلام کی دعوت کیلئے مختلف سرکاری مراسلات لکھوائے تھے جو آج کل بھی کتب تاریخ کی زینت ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس موضوع پر **"الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی والخلافة الراشدة"** کے نام سے ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے، جس میں دو سو سے زائد دستاویز درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں وحی متلو کے علاوہ وحی غیر متلو یعنی احادیث مبارکہ بھی لکھے گئے ہیں اور صحابہ کرامؓ کے پاس بھی اپنے تحریر کئے ہوئے مسودے اور مجموعے موجود تھے۔

نبی کریم ﷺ کے بعض تحریر شدہ وعدے:

حضرت تمیم داریؓ کے نام جاگیر:

حضرت تمیم داریؓ نے جب اسلام قبول کرلیا تو واپسی پر عرض کرنے لگا کہ جلد ہی آپ ؐ کی فوجیں میرے وطن شام کو فتح کرلیں گی مگر آپ ؐ مجھے فلاں فلاں گاؤں بطور جاگیر کے عنایت فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو تحریر لکھ کر دے دیا: کہ **"مرطوم اور جبرون وغیرہ گاؤں تمیم داری کو بطور جاگیر دیئے جائیں۔"**

نبی کریم ﷺ کا سراقہ بن مالکؓ کو امن کا پروانہ دینا:

جن دنوں نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمارہے تھے ان دنوں

(۱) حجیت حدیث بحواله طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۸، الوثائق السیاسیة: ۱۳۰، ۱۲٦

سراقہ بن مالکؓ بھی دوسرے لوگوں کی طرح نبی کریم ﷺ کی تلاش میں نکلے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے زمین میں دھنسنے لگے۔ جب نبی کریم ﷺ کی دعا سے وہ زمین سے بحفاظت نکلے تو نبی کریم ﷺ سے امن کا پروانہ مانگا اور جب آپؓ ایمان لانے کیلئے تشریف لائے تو اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس بہت بڑا ہجوم تھا لیکن اسی پروانہ کی وجہ سے اسی ہجوم میں نبی کریم ﷺ تک پہنچ کر مشرف باسلام ہوئے۔

صحابہ کرامؓ کے تحریر کردہ مسودے:

نبی کریم ﷺ کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے نہ صرف یہ کہ احادیث جمع کی تھیں بلکہ بعض نے اپنی ان تحریروں کو کتابی شکل میں جمع بھی فرمایا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ احادیث دوسری اور تیسری صدی ہجری کی پیداوار ہے' غلط ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے چند مجموعوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ غور سے پڑھیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے مسودات:

اس بات پر مضبوط اور ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ آپؓ نے احادیث کو تحریری شکل میں محفوظ فرمائی تھیں جن سے آپؓ کے تلامذہ نے آپؓ کے کئی مجموعے تیار فرمائے۔ آپؓ کے شاگرد رشید حضرت حسن بن عمروؒ کہتے ہیں: کہ ''حضرت ابو ہریرہؓ انہیں اپنے گھر لے گئے اور احادیث نبویؐ پر مشتمل کئی ایک کتابیں دکھائیں۔'' (۱) آپؓ کا یہ نسخہ کئی ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا مسودہ ''الصحیفۃ الصادقۃ'':

جیسا کہ چند صفحات قبل ذکر کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عمروؓ کو احادیث تحریر کرنے کی بطور خاص ہدایت فرمائی تھی جس سے ایک ضخیم مسودہ تیار ہوا تھا اور عہد رسالت

---

(۱) جامع بیان العلم: ۱/۱۷۴} فتح الباری: ۱/۱۸۴ (۲) اسلام کا نظام اکل وشرب……:۳۶

میں لکھے گئے مسودات میں یہ مسودہ سب سے ضخیم مسودہ شمار ہوتا ہے جس کے بارے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: "ان عبد اللہ بن عمرو کان یکتب ولااکتب" (۱) یعنی عبداللہ بن عمروؓ احادیث لکھا کرتے تھے اور میں (ان دنوں) نہیں لکھتا تھا (لیکن بعد میں لکھنے لگے تھے، جیسا کہ گزرا) حضرت ابوہریرہؓ کا اشارہ اسی صحیفہ کی طرف تھا، جس کا نام "الصحیفۃ الصادقۃ" یعنی سچائی کا صحیفہ رکھا گیا تھا۔ امام مجاہدؒ فرماتے ہیں: کہ "میں حضرت ابن عمروؓ کے پاس گیا اور ایک مسودہ جو آپؓ کے تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا، اُٹھا کر ہاتھ میں لے لیا۔ ابن عمرؓو نے مجھے روک دیا میں نے کہا: "آپ تو کبھی مجھ سے کچھ نہیں چھپاتے ہیں" اس پر آپؓ فرمانے لگے: "یہ صادقہ ہے (اور اس میں وہ کچھ ہے) جو میں نے (خود براہ راست) رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کوئی تیسرا راوی نہیں ہے اگر یہ کتاب اور (میری زرعی زمین جو) وہط (سے موسوم ہے) میرے لئے موجود (صحیح اور) سالم رہیں تو پھر مجھے دنیا کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔" (۲) علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں: کہ "اس مسودے میں ایک ہزار احادیث تھیں۔" (۳) بعض روایات کی رو سے اس میں دس ہزار احادیث درج تھیں۔ (۴)

آپؓ کی وفات کے بعد آپؓ کی اولاد کے پاس یہ مسودہ رہا آپؓ کے پوتے عمرو بن شعیبؒ ان کی احادیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یحی بن معینؒ اور علی بن مدینیؒ کا بیان ہے: کہ "عمرو بن شعیبؒ کی روایت کردہ ہر حدیث جس کتاب میں بھی موجود ہو وہ اسی مسودے سے لی گئی ہے۔" (۵) اس لئے جہاں "عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" کی سند آئے وہاں یہ سمجھیں کہ یہ حدیث اسی مسودہ ہی سے منقول ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/۲۲ (۲) جامع بیان العلم: ۱/۷۲، اسد الغابة: ۳/۲۳۳، ۲۳۴ (۳) اسد الغابة: ۳/۲۳۳ (٤) اسلام کا نظام اکل و شرب ......: ۳۷ (٥) تهذیب التهذیب: ۸/ ۴۹، ۵۳

صحف انس بن مالکؓ:

مذکورہ حضرات کے علاوہ حضرت انس بن مالکؓ کے پاس بھی نبی کریم ﷺ کی احادیث کئی نسخوں میں موجود تھیں بلکہ انہوں نے وہ احادیث تحریر کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کے سامنے تصدیق کرنے کیلئے پیش بھی فرمائی تھیں۔(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ احادیث نہ صرف خود لکھا کرتے تھے بلکہ اپنی اولاد اور تلامذہ کو بھی ان کو تحریر میں لانے کا حکم دیتے تھے۔(۲)

صحیفۂ علیؓ:

حضرت علیؓ کے پاس بھی ایک مسودہ تھا جس میں دیت اور قصاص، نصاب زکوٰۃ اور ذمیوں وغیرہ کے احکام کی احادیث درج تھیں اور یہ مجموعۂ احادیث انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں تحریر کیا تھا۔اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں آپ کثرت روایت کے سخت مخالف تھے اور جو مجموعہ آپؓ نے نبی کریم ﷺ کی احادیث کا تیار فرمایا تھا اس کو بھی چھپائے رکھا تھا لیکن جب ''سبائی فتنے'' نے ترقی کی اور انہوں نے بعض موضوعی روایات گھڑنے کی بدولت حضرت علیؓ کو الوہیت وغیرہ کے مرتبے تک پہنچانے کے عقائد پھیلائے تو اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے ایک دن بھرے مجلس میں اعلان فرمایا کہ جو مجھ سے علم ایک درہم میں خریدنا چاہتا ہوتو وہ ایک درہم کے کاغذ بازار سے خرید لائے حضرت حارث الاعور نے بازار سے ایک درہم پر کاغذ کا ایک دستہ خریدا تو حضرت علیؓ سے بہت سی احادیث لکھیں جس کے ذریعے آپ نے ''سبائی فتنے'' کا مقابلہ فرمایا اور ان کے موضوع اور گھڑی ہوئی روایات کے مقابلہ میں صحیح احادیث لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں۔آج کل حضرت علیؓ کا یہ مجموعۂ احادیث ''صحیفۂ علی

(۱)مستدرك حاكم ذكر انسؓ ۳/ ۵۷۳،۵۷٤ (۲)مسند دارمی:٦٨

ابن ابی طالبؓ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مسودہ جابر بن عبداللہؓ:

حضرت جابر بن عبداللہؓ کے پاس بھی ایک مسودہ تحریری شکل میں موجود تھا جس میں آپ ﷺ کے آخری حج کی تفصیلات درج تھیں جس کا مکمل متن صحیح مسلم کتاب الحج میں موجود ہے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: کہ "یہ حضرت جابرؓ کے مسودے ہی کی نقل ہے۔"(۱)

مسودہ عبداللہ بن عباسؓ:

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ کے پاس حدیث کے ایک اونٹ کے برابر مسودات تھے جنہیں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے حاصل کی تھیں جن میں سے بعض احادیث نبی کریم ﷺ کے دور ہی میں کتابی شکل میں جمع کی تھیں آپؓ نے اپنے استاد حضرت ابورافعؓ سے بھی بہت سی احادیث تحریری شکل میں قلمبند کی تھیں۔ آپؓ کے ایک شاگرد کا بیان ہے: کہ "میں نے عبداللہ بن عباسؓ کے پاس کچھ تختیاں دیکھیں جن پر آپؓ حضرت ابورافعؓ سے رسول اللہ ﷺ کے افعال سے متعلق احادیث لکھتے تھے۔"

صحیفہ عبداللہ بن مسعودؓ:

علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں: کہ "عبدالرحمٰن بن مسعودؓ نے ایک دن اس صحیفہ کو گھر سے نکالا اور فرمایا: کہ "اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی لکھی ہوئی روایات کا مجموعہ ہے۔"

صدیق اکبرؓ کا صحیفہ:

حضرت صدیق اکبرؓ کی بابت آتا ہے کہ آپؓ کا مجموعہ پانچ سو احادیث پر مشتمل تھا اور جب آپؓ کو خلافت کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی احادیث کا

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ: ۱/ ۴۱

ایک مجموعہ تیار فرمایا جس کو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حوالہ کیا اسی رات اتفاق سے آپؓ حضرت عائشہؓ کے گھر رہ گئے تھے مگر ساری رات نہ سو سکے اور ساری رات کروٹیں بدلتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: کہ ''میرا یہ خیال تھا کہ آپؓ کسی بیماری کی وجہ سے سو نہ سکے ہوں لیکن صبح ہوتے ہی آپؓ نے مجھ سے کہا: ''بیٹی! وہ مجموعہ احادیث جو میں نے آپ کو دیا ہے لے آؤ میں اس مجموعہ کو لے آئی آپؓ نے اس کو مٹا دیا اور فرمایا: کہ'' اس میں بعض روایات وہ ہیں جو میں نے خود نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں اور مجھے یقین ہے (کہ میں نے جس طرح سنی ہیں اسی طرح میں نے تحریری شکل میں بھی لائی ہیں) اور بعض میں نے صحابہ کرامؓ سے سنی ہیں ان کے بارے میں مجھے خوف ہے کہ شاید یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے منقول نہ ہوں۔'' (اس خوف کی وجہ سے مٹا دیا) جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث تحریری شکل میں لائی گئی تھیں۔

صحف صحابہؓ:

ان کے علاوہ کتب حدیث میں بعض دوسرے صحابہ کرامؓ مثلاً سمرہ بن جندبؓ وغیرہ کے پاس بھی احادیث کے صحیفوں کا ثبوت ملتا ہے جن میں متعدد احادیث نبویہؐ اور مسائل فقہیہ مذکور تھے لہٰذا یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ دور صحابہؓ میں احادیث کی کتابت رائج تھی اور منکرین حدیث کا انکار طفل تسلی سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

کتابت کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی یادداشت وحفظ :

قارئین کرام! دور صحابہؓ میں تحریری شکل میں احادیث کے مجموعوں کے پائے جانے سے انکار نیم روز میں دن سے انکار کرنے کے مترادف ہے لیکن اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ دور صحابہؓ میں صرف لکھنے پر اکتفاء نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان دنوں احادیث کے حفظ کا طریقہ

عام تھا جبکہ بعض صحابہؓ احادیث لکھتے اور پھر حفظ کرنے کے بعد ان کو مٹاتے تھے کیونکہ ان دنوں ان کے حافظے ضرب المثل تھے اور ان کو احادیث کے بھول جانے کا قدرے تصور بھی نہیں ہوتا تھا۔ احادیث کے علاوہ اپنے نسب کو یادرکھتے تھے۔ احادیث تو ان کے دین وایمان کی چیز تھی اور نسب کی وجہ سے ان کے آباؤاجداد کی تاریخ زندہ رہتی اس لئے یہ تو ضروری چیزیں تھیں لیکن وہ لوگ ان کے علاوہ دوسری غیرضروری چیزیں مثل اپنے گھوڑوں کے نسب ناموں تک یادرکھتے تھے۔ اسی طرح لمبے لمبے قصیدوں اور سینکڑوں کی تعداد میں اشعار صرف ایک بار سننے سے ازبریاد ہوجاتے تھے اور ان کو ہمیشہ یادرکھا کرتے تھے۔ کتب حدیث وتاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں بطور نمونہ چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت وحشیؓ کا قوت حافظہ:

(۱) عبیداللہ بن عدیؓ حضرت جعفر بن عمرو ضمریؓ کے ہمراہ حضرت وحشیؓ کے پاس ایسی حالت میں گئے کہ آپؓ کا چہرہ پگڑی میں چھپا ہوا تھا۔ آپؓ نے حضرت وحشیؓ سے پوچھا: کہ "آپؓ مجھے جانتے ہیں؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کہ "عدی بن خیار کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اس کو اس کی ماں کے ساتھ اس بچے کو جو چادر میں لپٹا ہوا تھا مرضعہ کے پاس لے گیا اس بچے کے پاؤں کھلے ہوئے تھے باقی بدن چھپا ہوا تھا اب میں آپ کو اسی پاؤں والے جیسا دیکھتا ہوں۔ (۱)

حضرت ابوہریرہؓ کی قوت یادداشت:

حضرت ابوہریرہؓ نے مسلمان ہونے کے بعد ساری زندگی علم حدیث کیلئے وقف فرمائی تھی ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے کمال کا حافظہ

(۱) تفصیل کیلئے جامع بخاری:....../......

عنایت فرمایا تھا گویا کہ حفاظت حدیث ہی کیلئے آپ کا حافظہ بنایا گیا تھا۔امام بخاریؒ نے کتاب الکنی میں آپؓ کے حافظے کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے: کہ ”ایک دفعہ مروان حکم نے جواس وقت دمشق کے حکمران تھے حضرت ابوہریرہؓ کواپنے ہاں بلایا پردے کے پیچھے سے ایک کاتب زعیزعہ یا ابوالزعزہ کو بٹھایا اوراس کوحکم دیا کہ جو روایات ابوہریرہؓ بیان کریں تو انہیں "مِـنْ وعَـنْ" اسی ترتیب سے لکھتے جائیں اور پھر حضرت ابوہریرہؓ سے گفتگو کے دوران چنداحادیث کے سنانے کا مطالبہ کیا حضرت ابوہریرہؓ نے کافی احادیث بیان کیں جسے آپؓ کی ناخبری میں پردے کے پیچھے مروان کا کاتب لکھتا جارہا تھا ایک سال بعد مروان نے پھر حضرت ابوہریرہؓ کواپنے ہاں بلایااور پچھلے سال کے بیان کردہ احادیث کے دوبارہ سنانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے وہی احادیث اسی ترتیب کے ساتھ دوبارہ سنائیں اور مروان کا کاتب پردے کے پیچھے سے ان احادیث کو دیکھتا رہا۔ابوزعزہ کہتے ہیں: کہ ”حضرت ابوہریرہؓ نے نہ کسی لفظ کا اضافہ کیااور نہ کسی لفظ کی کمی کی۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی قوت یادداشت:

حضرت ابن عباسؓ کے ہاں ایک مشہور شاعر عمر بن ابی ربیعہؒ نامی آیا جنہوں نے آپؓ کے سامنے ستر اشعار پر مشتمل ایک طویل قصیدہ صرف ایک بار پڑھا شاعر کے جانے کے بعد حاضرین مجلس کے سامنے پورے کا پورا قصیدہ اسی ترتیب سے زبانی سنایااور پوچھنے پر جواب دیا: کہ ”صرف اس ایک دفعہ سننے سے مجھے یادھو گیا۔“

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی بابت مشہور ہے کہ آپؓ ایک ہی مجلس میں سوسواشعار سنایا کرتی تھیں۔اسی طرح علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: کہ ”ان میں سے بعض حضرات صرف ایک بار سننے سے بعض لوگوں کے اشعار یاد کیا کرتے تھے۔“

یہ تو ان کا غیر دینی چیزوں کے یاد کرنے کا حال تھا اور جب احادیث کو دیکھا جائے کہ یہ ان کے محبوب پیغمبر علیہ السلام جو ان کو دل و جان سے پیارا تھا ان کے ارشادات' کردار و گفتار کو صحیح اور محتاط طریقہ سے یاد کرنا ان کو کتنا محبوب ہوتا کہ ان کے یاد کرنے پر نہ صرف اجر و ثواب تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کی احادیث یاد کرنے اور دوسروں تک اسی طرح جس طرح سنی ہو پہنچانے پر آپ ﷺ کی دعا اور اس کے ساتھ معمولی جھوٹ کے آمیزش پر نار جہنم کی وعید خود اپنے کانوں سے سنی ہو۔ یقینی بات ہے کہ ایسی حالات میں احادیث کے اچھی طرح یاد کرنے اور ان کے صحیح صحیح بیان کرنے میں مکمل احتیاط برتنے کا اہتمام کرتے ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: کہ "میں نے رات تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک ثلث میں نماز پڑھتا ہوں ایک ثلث میں سوتا ہوں اور ایک ثلث میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں۔"

یہی حال عام صحابہ کرامؓ کا تھا کہ ان کے محافل میں ان احادیث کے مذاکرے ہوا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ تعامل کی وجہ سے بھی احادیث کو محفوظ رکھا کرتے تھے۔

عہد تابعینؒ میں احادیث کی تدوین:

بعض اوقات منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ "احادیث کی تدوین کا کام عہد تابعینؒ میں شروع ہوا اور عہد تابعینؒ کا آغاز ہجرت نبوی ﷺ کے سو سال بعد ہوا ہے لہٰذا پہلی صدی ہجری میں احادیث کی تدوین کا کام بالکل ناپید تھا۔ تو عرض ہے کہ جس طرح تیسری صدی ہجری کا قول جھوٹ کا پلندہ نکلا اسی طرح دوسری صدی ہجری کا قول بھی ان شاء اللہ جھوٹ کا ملبہ ثابت ہوگا۔

عہد تابعینؒ کا آغاز:

قارئین کرام! جس طرح دور نبوی ﷺ میں بعض احادیث خود آپ ﷺ کے حکم سے

تحریری شکل میں آ گئے تھے اسی طرح خود صحابہ کرامؓ نے بھی نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھ احادیث کا ذخیرہ حفظاً وکتابۃً محفوظ کیا تھا جیسا کہ مذکور ہو چکا ان کے بعد تابعینؒ کا زمانہ آیا۔ اب تابعینؒ کب سے شروع ہوئے یہ جگہ دھوکہ کھانے کی ہے تو جان لینا چاہئے کہ ''تابعیؒ اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے تو محروم ہو لیکن کسی صحابیؓ رسول ﷺ کی زیارت یا ان کی کسی ایک مجلس میں بیٹھنے سے حالتِ ایمان میں مشرف ہوا ہو خواہ وہ شخص نبی کریم ﷺ کے عہد کا ہو یا نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو۔'' چنانچہ تابعینؒ کے عہد کے شروع ہونے کیلئے تمام صحابہ کرامؓ کے رخصت ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی سو سال گزر جانے کی حاجت ہے وہ تو عہد تابعیت کا آخری دور ہے اور اس کے بعد تابعیؒ کے شرف حاصل کرنے سے محرومی کا دور شروع ہوتا ہے کیونکہ وہ وقت عہد صحابہ کرامؓ کے ختم ہونے کا ہے اور تابعیؒ تو صحابیؓ کے دیدار سے بنتے تھے۔اس لئے نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں تابعینؒ کا دور شروع ہوا تھا (چنانچہ حضرت اویس قرنیؒ نبی کریمؐ کے دور کے تھے لیکن ملاقات کی شرف سے محروم ہونے کی وجہ سے آپؒ کا شمار تابعین میں سے ہوتا ہے ۔)اور سو سال بلکہ ۱۱۰ھ کے بعد نئے تابعی بننے کے خواب دیکھنے کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ الغرض یہ کہنا کہ احادیث کی تحریر وتدوین کا م دور تابعین یعنی سو سال بعد شروع ہوا، محض دھوکہ اور فریب سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں ہے۔

الحاصل صحابہؓ کی طرح تابعینؒ نے بھی احادیث کے مجموعے تحریر فرمائے تھے لیکن ابتداء میں تابعین محدثینؒ نے علیحدہ علیحدہ طور پر احادیث کے لکھنے میں اپنی عمر عزیز صرف فرمائی پھر کچھ عرصہ بعد اسی دور تابعینؒ میں مشہور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سرکاری طور پر یہ ذمہ داری سنبھالی چنانچہ آپؒ نے تمام گورنروں کو سرکاری حکم بھیجا: کہ'' وہ ذاتی نگرانی میں صحابہ کرامؓ اور ان کے شاگردوں میں سے ذی علم وذی استعداد حضرات کو اکٹھا کر کے ان سے

حاصل ہونے والی احادیث کو یکجا جمع کریں کیونکہ میں علم (نبی کریم ﷺ کی احادیث) کے ختم ہونے سے ڈرتا ہوں۔'' بعض روایات میں آتا ہے: کہ'' انہوں نے ابوبکر بن عمرو بن حزمؒ کو لکھا: کہ'' رسول اللہ ﷺ کی حدیث اورسنت نیز حضرت عمرؓ کی حدیثیں اوراسی قسم کی جو روایات مل سکیں، ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو کیونکہ مجھے علم (یعنی حدیث وسنت نبویہ اور حدیث عمرؓ وغیرہ) کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خدشہ ہے۔'' جس کے نتیجے میں احادیث کی کتابیں لکھی گئیں ان میں حضرت ابن شہاب زہریؒ (جو مدینہ منورہ کے گیارہ محدثینؒ میں سے تھے) اور حضرت ابن حزمؒ اول مدوینین میں سے شمار کیئے جاتے ہیں۔ البتہ ان دونوں میں سے صرف ابن شہاب زہریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی میں احادیث کو کتابی شکل میں جمع کر کے آپؒ کے سپرد کیا تھا۔ (۱)

دفاتر الزہریؒ:

قارئین کرام! صحابہ کرامؓ بعض دوسرے تابعینؒ اورائمہ حدیثؒ کی یادداشت کی طرح امام زہریؒ کی قوت یادداشت بھی قابل رشک تھی چنانچہ امام زہریؒ نے اسی دن میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ تمام عمر میں صرف ایک دفعہ ایک حدیث میں کچھ شبہ ہوا تھا لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ جس طرح انہیں یاد تھی وہ حدیث ویسی ہی تھی۔ (۲) باوجود اس کے انہوں نے دور طالب علمی ہی سے احادیث کو تحریر میں لانا شروع کیا تھا اسی طرح انہوں نے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا لیکن اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آثار صحابہؓ کو بھی قلمبند کیئے اوراس طرح انہوں نے ایک ضخیم مجموعہ تیار کیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''اگر امام زہریؒ نہ ہوتے تو مدینہ کے سنن ضائع ہوجاتے۔'' عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے: ''اب سنن ماضیہ کا جاننے والا زہری سے زیادہ کوئی

---

(۱) مقدمة تنوير الحوالك للسيوطیؒ شرح مؤطا امام مالكؒ: ۱/۷ (۲) تذكرة الحفاظ: ۱/۱۰۴

نہیں۔" امام زہریؒ چونکہ کثرت سے احادیث روایت کرتے تھے اس لئے بعض لوگوں کو ان پر شبہ ہوتا تھا لیکن جب کبھی ان کا امتحان لیا گیا۔ تمام شکوک وشبہات کا پردہ خود بخود چاک ہوگیا۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے کسی لڑکے کے واسطے ان سے حدیثیں قلم بند کرنے کی درخواست کی۔ آپؒ نے چار سو احادیث لکھدیں۔ ایک ماہ کے بعد ہشام نے امتحاناً کہا: کہ "وہ مجموعہ ہم سے گم ہوگیا۔" امام زہریؒ نے وہی احادیث پھر لکھوادیں۔ دونوں کو ملا کر دیکھا گیا تو ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔"(۱) ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ تو بہت زیادہ تھا البتہ ان سے مروی احادیث کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔

دوران طالب علمی کے بعد امام زہریؒ کو سرکاری طور پر دوسرے ائمہ حدیث اور صحابہؓ سے احادیث جمع کرنے کا حکم ملا تو اس وقت انہوں نے مزید احادیث جمع کیں چنانچہ امام زہریؒ فرماتے ہیں: کہ "ہمیں عمر بن عبدالعزیزؒ نے سنن کو جمع کرنے کا حکم دیا ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور انہوں نے زمین کے ہر حصہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔"(۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زہریؒ سرکاری حکم کے مطابق سب سے پہلے مدوِن ہیں اور یہی اکثر محققینؒ کی رائے بھی ہے۔

تدوین حدیث میں حضرت قاسمؒ کا کردار اور امام زہریؒ کا ذخیرہ:

خود قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ جو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، کو بھی حضرت عمر ثانیؒ نے تدوین حدیث کیلئے خط تحریر فرمایا تھا اور جس طرح امام زہریؒ اور امام ابوبکر بن حزمؒ احادیث کی تدوین میں مشغول تھے اسی طرح حضرت قاسمؒ بھی احادیث کے جمع کرنے میں مصروف ہوگئے تھے البتہ ان حضرات میں امام زہریؒ نے انتہائی کوشش فرمائی حتی کہ آپؒ اہل علم کے پاس ان کے گھروں میں جاکر ان سے احادیث لکھتے تھے آخری

(۱) ایضاً/۱۰۳، ۱۰٤ (۲) جامع بیان العلم: باب ذکر الرخصة فی کتاب العلم: ۱/ ۳۳۱

ایام وفات ۱۲۴ھ تک ان کی اس کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ امام زہریؒ کے پاس احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوا تھا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کیلئے کئی اونٹ درکار ہوتے تھے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ عمر ثانیؒ نے اپنے ملک کے دوسرے گورنروں کے ہاں بھی اپنا حکم نامہ جاری فرمایا تھا: کہ ''نبی کریم ﷺ کی احادیث دیکھو اور ان کو لکھو بیشک میں علم کے دروس اور اہل علم کے چلے جانے سے ڈرتا ہوں۔'' (کہ ان سے علوم نبویؐ نہ لکھنے اور ان کے چلے جانے کی وجہ سے ہمارا علمی اور دینی سرمایہ ضائع نہ ہوجائے۔)(۱)

حضرت عمرہؒ کی احادیث:

عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ وہ خوش نصیب تابعیہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی گود میں رہتے ہوئے تربیت پائی ہے بلکہ ام المؤمنینؓ کے تلامذہ میں ان کا درجہ حضرت عروہؒ کے برابر شمار ہوتا ہے اور ان کے پاس احادیث کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔

کتب ابی بکر بن حزمؒ:

مدینہ منورہ کے گورنر حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مشہور فرمان کی بنیاد پر کئی کتابیں تیار کی تھیں جو کتب ابی بکرؒ کے نام سے موسوم ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو حکم دیا تھا: کہ ''وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ اور قاسم بن محمدؒ کی احادیث کے اس علم کو جو کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے حاصل کی ہے ان کیلئے جمع کر کے تیار کریں لیکن انہوں نے ان کتابوں کو خلیفہ موصوفؒ کے پاس بھیجنے سے پہلے ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔(۲)

کتاب السنن لابن مکحولؒ:

امام مکحولؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے یہ کتاب بھی

(۱)سنن الدارمی:۱/۱۲۶ (۲)مقدمۃ تنویر الحوالک للسیوطیؒ:۱/۷

آپؒ کے حکم کی تعمیل میں لکھی تھی۔

سالم بن عبداللہؒ کا صدقات میں رسالہ:

حضرت عمر ثانیؒ کے حکم کی تعمیل میں امام سالمؒ نے بھی ایک رسالہ نوشتہ کیا تھا۔

مسودہ حضرت عروہ بن زبیرؒ:

حضرت عروہ بن زبیرؒ نے بھی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ سے بہت سی احادیث لکھ کر جمع کی تھیں جو جنگ حرہ میں تلف ہوگئیں جس پر ساری عمر افسوس کرتے رہے۔

نسخۂ بشیر بن نہیکؒ:

حضرت ابوہریرۃؓ کے ایک مشہور شاگرد بشیر بن نہیکؒ نے حضرت ابوہریرۃؓ کی احادیث کا ایک نسخہ تیار کرکے آپؓ کے سامنے پڑھ کر سنایا چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں: کہ ''میں حضرت ابوہریرۃؓ سے جو حدیثیں سنتا تھا لکھ لیتا تھا پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس کو آپؓ کے سامنے پڑھ کر سنایا اور پھر آپؓ سے عرض کیا: کہ ''یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں؟'' فرمانے لگے: ہاں (یہ وہ سب وہ حدیثیں ہیں جو آپ نے مجھ سے سنی ہیں۔''(۱)

نسخۂ ہمام بن منبہؒ:

حضرت ابوہریرۃؓ کے شاگرد رشید حضرت ہمام بن منبہؒ جو کہ یمن کے امراء میں سے تھے' ایک زمانہ تک حضرت ابوہریرۃؓ کی خدمت میں رہے۔انہوں نے بھی ڈیڑھ سو احادیث کا مجموعہ بنام "الصحیفة الصحیحة" تحریر فرمایا تھا جس کا مکمل متن مسند امام احمدؒ میں

---

(۱)سنن الدارمی باب من رخص فی کتابة العلم :۱/۱۳۸

موجود ہے۔شیخینؒ نے بھی متفرق طور پر اس نسخہ سے روایت کیا ہے۔(۱) اسی طرح بعض دوسری احادیث کی کتب میں بھی ان احادیث کے بعض حصے مذکور تھے جس کی وجہ سے اس کتاب کی چنداں ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ کم ہوگئی تھی جس کی وجہ سے بعض لائبریریوں کی زینت بننے کے باوجود یہ کتاب عرصہ دراز سے نظروں سے پوشیدہ رہا لیکن الحمدللہ آج کل زیور طباعت سے آراستہ ہوگیا ہے۔

اس کتاب کے دو مخطوطے برلن اور دمشق کی لائبریریوں میں جب ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۴ء دریافت ہوئے تو ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے یہ کتاب تفصیلی تعارف کے ساتھ شائع کردی اور انہوں نے صدیوں قبل تحریر شدہ کتاب کے متن کا جب ''مسند احمد'' میں موجود متن کے ساتھ موازنہ کیا تو ان کے درمیان کوئی بھی حقیقی اور واقعی اختلاف یا فرق نہیں مل سکا البتہ جیسا کہ عام کتب کے بعض مخطوطوں میں جو معمولی اور نا قابل ذکر اختلاف ہوتا ہے ایسے ہی بعض معمولی لفظی فرق کے علاوہ دونوں کا متن یقیناً یکساں پایا گیا جو کہ اس بات کی واضح ثبوت ہے کہ دور تابعینؒ میں لکھی گئی کتب جو بعد میں دوسری ضخیم کتابوں کا حصہ بن گئی تھیں ان میں ان تمام احتیاطوں کو بروئے کار لایا گیا تھا اور ان میں کسی کمی کو نہیں ہونے دیا تھا جس سے کالشّمس ظاہر ہوگیا ہے کہ ان کا درجہ اعتبار اسی طرح برقرار ہے اور ان کے معتبر ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ابواب، سنن اور فقہی ترتیب پر کتب حدیث کی تدوین کا آغاز:

آئندہ آنے والے دنوں میں دوسرے سائنسی ارتقاء کی طرح احادیث کی طرز تحریر میں بھی تبدیلی ہوتی رہی اور پھر اس دور کی کتابیں آنے والے ادوار میں تالیف شدہ کتب میں منضم ہوگئیں اور اس طرح ان کتب کی ذاتی حیثیت کی چنداں ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے لوگوں نے ان بڑی کتب جن میں مذکورہ کتب بھی منضم تھیں کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔

---

(۱) تہذیب التہذیب: ۱۱/۶۷

دوسری اور تیسری صدی ہجری کی کتب کی شہرت کا یہی پس منظر ہے لیکن اس کے باوجود دور تابعینؒ میں احادیث کی بعض تصنیف شدہ کتب محفوظ رہے جن سے جب بعد کی کتب کا موازنہ کیا گیا تو ان کو بغیر کسی کمی بیشی کے پایا گیا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ عہد تابعینؒ میں اکثر وبیشتر کتب حدیث کسی خاص موضوع اور عنوان سے خالی ہوتی تھیں اور ان میں کسی ایک خاص عنوان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا لیکن اس دور میں بعض علماء نے باقاعدہ طور پر موضوعات، عنوانات اور سرخیوں کا خیال رکھتے ہوئے انہی موضوعات کے تحت اپنی اپنی احادیث کو جمع بھی کیا تھا۔

ابواب امام شعبیؒ:

امام شعبیؒ کی کتاب "الابــواب" مذکورہ طرز کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب مختلف ابواب پر مشتمل تھی ہر باب میں ایک ہی عنوان مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق احادیث کو یکجا جمع کئے تھے۔ اسی پہلی صدی ہجری میں ایک دوسری کتاب جو باقاعدہ طور پر ایک مخصوص موضوع یعنی قرآن کریم کی تفسیر پر مبنی احادیث پر مشتمل تھی، حضرت حسن بصریؒ نے تصنیف فرمائی تھی جس سے معلوم ہوا کہ پہلی صدی ہجری ہی میں عام ترتیب پر مدون ہونے والی کتب بھی موجود تھیں۔ فقہی طرز پر سب سے پہلی تصنیف امام ابوحنیفہؒ نے فرمائی پھر حضرت امام مالکؒ نے بھی یہی طرز اختیار فرمایا۔

امام ابوحنیفہؒ کی محدثانہ جلالت شان:

تدوین حدیث کی عظیم خدمت جس طرح دوسرے ائمہ ومحدثینؒ نے فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہؒ کو بھی اس سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا مگر بعض متعصب لوگ امام ابوحنیفہؒ پر احادیث سے نابلد ہونے کا الزام محض لگاتے ہیں جو جھوٹ کے پلندے کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فقیر نے لوگوں کے اس جھوٹے الزام کی رد میں "سیدنا امام اعظم امام

ابوحنیفہؒ کی محدثانہ جلالت شان'' تحریر کی تھی جو کہ ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ''مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا'' سے شائع ہوچکی جس کی مقتدر علماء کرام کی طرف سے بہت حوصلہ افزا پذیرائی حاصل ہوئی۔ آج کل نظر ثانی کے بعد اضافات کے ساتھ ۶۰۰ سے اوپر صفحات پر مشتمل ہوکر نہ صرف نیٹ پر موجود ہے بلکہ بین الاقوامی مکتبہ جبریل میں بھی زینت بن چکی ہے۔ اللہ تعالی اشرف قبولیت سے نوازے۔﴿امین﴾ پوری تحقیق اسی کتاب میں دیکھیں۔ یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ امام صاحبؒ کے اساتذۂ حدیث صحابہؓ 'تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ میں سے بہت سے مشائخ گزرے ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے تو جب ایک ایسی ہستی کو جو تمام عالم میں ہر کس و ناکس نے ان کی علمی عظمت کو پہچانا ہو اور بہت سے اہل علم آپؒ کو ''من کبار حفاظ حدیث''،''مجتہد مطلق''،''اپنے زمانہ کے فقہ' علم اور ورع میں امام دنیا''،''احفظ اہل زمانہ'' اور بقول یحی بن سعید القطانؒ ''علم قرآن وسنت کے سب سے بڑے عالم'' کی صفات سے پکارتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپؒ نہ صرف ''امام الفقہاءؒ'' تھے بلکہ ساتھ ساتھ ''امام المحدثینؒ والحفاظؒ'' بھی تھے۔

حدیث میں کتبِ ائمہ اربعہؒ:

ائمہ اربعہؒ میں سے امام ابوحنیفہؒ کی ''کتاب الآثار'' اور امام مالکؒ کی کتاب ''موطا امام مالکؒ'' سب سے پہلے مستقل انداز میں فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کی گئیں پھر امام شافعیؒ نے ''مسند شافعیؒ اور سنن شافعیؒ'' تحریر فرمائی اور امام احمدؒ نے بھی احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ''مسند احمدؒ'' میں محفوظ فرمایا ہے۔

ائمہ اربعہؒ میں سے تین امام عربی تھے:

قارئین کرام! فقیر اپنے جواب کو مکمل کرتے ہوئے آخر میں ایک بات کی وضاحت

کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے وہ یہ کہ منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ ''کسی عربی شخص کی ''کتب حدیث'' میں کتاب نہیں۔ان سے فقیر کا سوال ہے: کہ ''امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ کون تھے؟ کیا یہ عجمی تھے؟'' نہیں نہیں! ہرگز نہیں! یہ تینوں ائمہؒ عربی النسل تھے۔ چنانچہ امام مالکؒ اصبحی قبیلہ، امام شافعیؒ مطلبی، قریشی قبیلہ اور امام احمدؒ شیبانی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ کیا ان کی احادیث کا مجموعہ اب بھی کتب خانوں کی زینب نہیں بنی ہوئی ہیں؟ یقیناً ان حضرات کی کتب احادیث آج بھی ہمارے کتب خانوں میں موجود ہیں اور یہ حضرات امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ جیسے عجمی نسل کے نہیں تھے بلکہ خالص عربی النسل تھے۔

الغرض جن دنوں ائمہ صحاح ستہؒ کا دنیا میں وجود بھی نہیں تھا ان دنوں بعض ایسے ائمہ و محدثینؒ نے کتب حدیث تصنیف فرمائی تھیں جو خالصتاً عربی النسل تھے۔جن میں امام مالکؒ عربی ہونے کیساتھ ساتھ مدینہ منورہ کے باشندہ بھی تھے۔انہوں نے ان دنوں حدیث کی ایک عظیم کتاب ''مؤطا مالک'' تحریر فرمائی تھی جس کی بابت بعض ائمۂ کرامؒ کا فرمان ہے: کہ ''آسمان کے نیچے ''قرآن کریم'' کے بعد ''مؤطا مالک'' سے کوئی صحیح کتاب نہیں۔''

اسی طرح امام شافعیؒ کی کتاب ''مسند شافعیؒ''، ''سنن شافعیؒ'' اور امام احمد بن حنبلؒ کی ''مسند احمد'' احادیث کی مستند کتابیں مانی جاتی ہیں۔ مذکورہ تینوں حضرات عربی النسل ہونے کے ساتھ ساتھ کتب حدیث کے مصنفین و مؤلفین بھی ہیں۔

صحاح ستہ کے علاوہ بعض دوسری کتب حدیث کا مرتبہ:

کتب صحاح ستہ میں بعض کتب ایسی ہیں کہ ان سے بعض دوسری کتب حدیث بلند پایہ کی کتابیں ہیں جیسا کہ ''مؤطا امام مالکؒ'' یہ ''صحیح البخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کے پایہ کی کتاب ہے اور ''سنن ابی داوٗد'' وغیرہ سے بلند مرتبہ کی ہے۔اسی طرح ''شرح معانی الآثار''

بھی ''ابوداود'' وغیرہ کے پایہ کی کتاب ہے۔ بلکہ اس کا مرتبہ ''سنن ابن ماجہ'' سے بھی بلند اور فائق ہے لیکن دراصل ان کتب میں آثار صحابہؓ وتابعینؒ بمقابلہ صحاح ستہ کے زیادہ موجود ہیں اس وجہ سے ان کو عرفاً مشہور صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا گیا ورنہ ان کا درجہ بھی ان صحاح ستہ سے کچھ کم نہیں اس پر طرہ یہ کہ ان کتب کے مصنفین ''عجمی النسل'' نہیں بلکہ ''عربی النسل'' تھے۔ لہٰذا منکرین حدیث کا یہ قول بے سود و بے معنی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء ہی سے احادیث کے ضبط اور محفوظ رکھنے کے دو طریقے ''ضبط صدر'' اور ''ضبطِ کتابت'' تھے۔ ابتدائی ادوار میں ''ضبط صدر'' زیادہ مروج اور معروف تھا کیونکہ ان دنوں حافظے مضبوط اور قوی ہوتے تھے جیسا کہ گزرا لیکن ساتھ ساتھ کتابت بھی ہوتی تھی لیکن یہ کتابت بھی دو قسم ''مطلق کتابت'' اور ''کتابت بصورت تصنیف'' تھا۔ پہلی قسم حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں زیادہ تھی یعنی ان کے پاس احادیث تحریراً موجود ہوتی تھیں لیکن باضابطہ ایک ہی جگہ مخصوص کاغذات میں قلم بند نہیں ہوتی تھیں بلکہ کہیں ایک حدیث لکڑی کے تختے پر لکھی ہوتی تھی تو کہیں چمڑے کے ٹکڑے پر، کہیں کھجور کی ٹہنی پر لکھی ہوتی تھی تو کہیں بکری کے شانے کی ہڈی پر تحریر کرتے تھے جیسا کہ قرآن پاک تحریر تھا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کے پاس ایک ہی جگہ بصورت مجموعہ احادیث کا ذخیرہ بالکل ناپید تھا ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ بصورت مسودہ اور تصنیف کم ہی صحیح لیکن احادیث کے مجموعے یقیناً موجود تھے البتہ بعد میں بصورت تصنیف احادیث کا جمع کرنے کا رواج بہت زیادہ ہوا۔ یعنی احادیث کی تدوین کی ابتداء دور نبوی ﷺ سے ہوئی تھی پھر دور خلفا راشدینؓ میں بھی اسی طرح انفرادی حیثیت سے اس پر کام ہوتا رہا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں باقاعدہ طور پر سرکاری احکامات کے تحت اس کی تدوین کا حکم دیا گیا۔ البتہ اس فن میں ترقی کرتے ہوئے اس فن کو ابواب وتراجم، فقہی ترتیب اور مختلف عنوانات کے ساتھ ساتھ ان کے رجال کی تحقیق وغیرہ کا بعد میں

بندوبست ہوا لیکن اصل احادیث کے لکھنے کا بندوبست عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ ؓ اور عہد تابعینؒ میں بھی جاری تھا۔

بہرحال منکرین حدیث کا یہ کہنا: کہ ''کتب حدیث عجمی سازش کے تحت بنائی گئیں ہیں اسی وجہ سے کسی عربی النسل عالم سے معتبر کتب حدیث منقول نہیں ہیں'' ان کا یہ دعویٰ بلادلیل ہے۔ کیا صحابہ کرام ؓ مذکورہ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ابن عمرو بن العاص ؓ اور حضرت ابوہریرہ ؓ وغیرہ کے علاوہ ائمہ ثلاثہؒ اہل عرب میں سے نہیں تھے۔

اسی طرح امام بخاریؒ کے خاص اساتذہ میں سے بعض حضرات کی اپنی تصنیفات اب بھی موجود ہیں جیسا کہ ''مسند امام حمیدیؒ'' عربی نسل ہونے کے ساتھ ساتھ مکی اور قریشی بھی تھے۔

اعتراض۲: آپ ﷺ کی تشریح صرف صحابہ کرام ؓ کیلئے حجت تھی:

منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ ''نبی کریم ﷺ کو قانون سازی اور قرآن پاک کی تفسیر کے جو اختیارات سونپے گئے تھے اس زمانے کے لوگوں پر براہ راست مخاطب ہونے اور ہمہ وقت آپ ﷺ کی نگرانی میں ہونے کی وجہ سے ان تشریحات کی تعمیل کرنا واجب اور ضروری تھی لیکن بعد میں آنے والی نسلوں کیلئے آپ ﷺ کے قوانین اور تشریحات کی تعمیل کرنا واجب اور لازم نہیں ہے۔

جواب:

قارئین کرام! آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی بعثت ایک محدود اور خاص مدت یا کسی مخصوص قوم کیلئے نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انس و جن کیلئے مبعوث فرمائے گئے ہیں جیسا کہ قرآنی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔

نیز یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد نبویؐ میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت ایک حاکم

کی حیثیت سے واجب نہیں تھی بلکہ بحثییت ایک پیغمبر کے لازم تھی اور جب بحثییت ایک پیغمبر کے آپ ﷺ کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے تو چونکہ آپ ﷺ کی نبوت تا قیامت برقرار رہے گی (جیسا کہ قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں۔) اس لئے آپ ﷺ کی اطاعت بھی تا قیامت برقرار رہنی ضروری ہے ورنہ یہ ایک عجیب منطق ہوگی کہ آپ ﷺ کی نبوت تو تا قیامت برقرار رہے لیکن آپ کی وہ تشریح جس کیلئے آپ ﷺ کی بعثت فرمائی گئی ہے' آپ ﷺ کی رحلت فرمانے کے بعد غیر مؤثر ہو کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ کی رسالت کا دائرۂ اثر صرف صحابہ کرامؓ تک محدود ہوتا اور آئندہ آنے والی نسلوں تک وسیع نہ ہوتا تو ان نسلوں کے افراد پیغمبری رشد و ہدایت سے راہنمائی حاصل کرنے سے محرومیت کے شکار ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نسل کو پیغمبرانہ راہنمائی سے محروم نہیں فرماتے۔ لہٰذا جب واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ تا قیامت تمام اقوام عالم کے تمام زمانوں کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ ﷺ کی حاکمیت کے واجب التعمیل ہونے سے انکار کرنا اور موجودہ نسل کے مسلمانوں کیلئے آپ ﷺ کی ہدایات اور تفسیر قرآن کا اتباع اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنے سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی ہے۔

بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ اہل لسان ہونے کے ساتھ ساتھ اس وقت کے پیچ و تاب سے بخوبی واقف اور مواقع وحی سے خوب باخبر تھے۔ اس کے باوجود ان کیلئے نبی کریم ﷺ کی تشریح اور تفسیر قرآن کی نہ صرف حاجت اور ضرورت تھی بلکہ وہی تشریح اور تفسیر ہی ان کیلئے واجب العمل بھی ہوتی تھی لیکن ایک ایسی نسل جو اہل لسان نہ ہونے کے ساتھ ساتھ مواقع وحی اور گردوپیش کے تمام احوال وواقعات سے نابلد ہو تو کیا ایسے لوگوں کیلئے نبی کریم ﷺ کی تشریحات کا جاننا ضروری نہیں ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تشریحات کا جاننا ان کیلئے یقیناً ضروری ہوگا خاص طور پر اس صورت میں کہ آپ ﷺ خاتم النبیین

ہیں آپ ﷺ کے بعد امت محمدیہ علی صاحبہا التحیات والتسلیمات کیلئے کوئی نیا معلم یعنی پیغمبر نہیں آئے گا۔

پس جس قرآن پاک کا تمام زمانوں اور تمام نسلوں کیلئے واجب التعمیل ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کی اسی تشریح کا باقی رہنا بھی لازمی امر ہے جس تشریح کیلئے نبی کریم ﷺ جیسی شخصیت کا انتخاب ہوا ہے ورنہ پھر آپ ﷺ کا اس مقصد کیلئے بھیجنے کا بے معنی ہونا بدیہی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ حُجَّةٌ بَّعْدَ الرُّسُلِ الایة﴾ (۱) یعنی خوشخبری اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر الزام لگانے کا موقع باقی نہ رہے۔ اب اگر نبی کریم ﷺ کے افعال اور ارشادات ہمارے لئے حجت نہیں تو ہم پر اس اتمام حجت' جو بعثت سے مقصود ہے' کے کیا معنی ہونگے؟ اس لئے یہ اعتراض عقلاً ونقلاً انتہائی احمقانہ اور غیر معقول معلوم ہوتا ہے۔

اگر وہ کہیں: کہ "صحابہ کرامؓ پر آپ ﷺ کی اطاعت بحیثیت رسول واجب نہیں تھی بلکہ بحیثیت مرکز ملت کے اطاعت ضروری تھی۔" تو عرض یہ ہے کہ ان کے نزدیک "ظن" "من گھڑت بات" کو کہتے ہیں اور "من گھڑت بات" بات ان کے ہاں حجت نہیں ہوا کرتی پس ان کی یہ تشریح بھی چونکہ انہوں نے قرآن پاک سے نہیں لی بلکہ اپنی طرف سے گھڑی ہے اس لئے مرکز ملت کا قول بھی باطل اور غیر حجت ہے۔ اس لئے لامحالہ یہی تسلیم کرنا ہوگا کہ صحابہ کرامؓ پر آپ ﷺ کی اطاعت بحیثیت رسول واجب العمل تھا اور چونکہ آپ ﷺ تا قیامت رسول و نبی ہیں اور آپ ﷺ پر نازل شدہ قرآن تا قیامت باقی رہنے والا ہے اس لئے آپ ﷺ کی رسالت اور تشریحات قرآنیہ کا تا قیامت باقی رہنا بھی ایک لازمی امر ہے۔

---

(۱) النساء ☆ ۱۶۵

اعتراض ۳: قرآن خود واضح، آسان اور جامع ہے:

منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ ''قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ☆﴾ (یعنی ہم نے قرآن پاک کو واضح عربی زبان میں نازل فرمایا ہے) اور ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ☆﴾ (یعنی ہم نے قرآن پاک کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟) کے فرمانِ الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک عربی کے واضح اور آسان زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے تشریح کی ضرورت نہیں رکھتا کیونکہ جب قرآن پاک عربی کے فصیح زبان میں نازل ہوا اور اس کا سیکھنا آسان ہے پس اگر کوئی شخص عربی زبان میں واقفیت کے بغیر فقط لغت جاننے سے قرآن جان سکتا ہے تو قرآن فہمی میں احادیث سے مدد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ نیز قرآن خود جامع کتاب ہے جیسا کہ ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ (یعنی اور ہم نے آپؐ پر کتاب اتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔)

اسی طرح قرآن ایک جامع کتاب ہے اب اگر احادیث کو بھی ماخذ دین قرار دی جائیں تو یہ قرآن کی جامعیت کے منافی ہے۔

جواب ا:

بحمد اللہ ہم منکرین حدیث سے بھی زیادہ قرآن کریم کے جامع اور کامل کتاب ہونے کے قائل ہیں لیکن قرآن پاک کی جامعیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ تعلیم وتوضیح اور تبیین وتشریح کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال، کسی عموم میں کوئی تقیید اور کسی مراد میں کوئی ابہام نہیں ہے اور ارکان وشرائط، فرائض وواجبات حتی کہ سنن اور مستحبات وآداب تک اس میں مذکور ہیں اور ہر باب کے ہر گوشہ اور ہر قسم کی جزئیات کا اس نے احاطہ کر لیا ہے اور قرآن پاک

نے زندگی اور عبادات کا کوئی گوشہ ایسانہیں چھوڑا جواس نے تفصیلاً ذکر نہ کیا ہو۔یہ مطلب تو کسی صاحب عقل نے آج تک نہیں لیا کیونکہ عقلاً ایسی کتاب کا ہونا ناممکن ہے اگرقرآن پاک اتنا واضح ہوتا تو اس کی تشریح اور تبیین کیلئے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی کیا ضرورت تھی؟ قرآن پاک کو براہ راست کیوں نہ اُتارا گیا۔امت خوداس سے استفادہ کرتی۔

خودقرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجیدا پنی تشریح کیلئے کسی شارح کی ضرورت محسوس کرتا ہےاورشارح بھی ازخودوہ تشریح نہیں بتائیں گے بلکہ اس تشریح کومنجانب اللہ تعالیٰ سیکھ کرامت کو بتائیں گے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کوصراحتاً فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَلِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ (یعنی ہم نے آپؐ کی طرف ذکراتاراکہ آپ لوگوں کیلئے بیان کریں وہ چیز جوان کی طرف اتاری گئی ہے۔) اسی طرح صحابہ کرامؓ کےعمل سےبھی یہی عیاں ہے کہ صحابہ کرامؓ نہ صرف یہ کہ عربی زبان جانتے تھے بلکہ یہ ان کا اپنا مادری زبان تھا اور اہل عرب اس میں اتنے ماہر تھے کہ دوسری اقوام کوعجم یعنی گونگے کہا کرتے تھےلیکن اس کے باوجود یہ حضرات قرآن پاک کے معانی اور مطالب متعین کرنے میں نبی کریم ﷺ کی توضیح اورتفسیر کومحتاج ہوا کرتے تھےتو جب ماہرین عربیت صحابہ کرامؓ کا خود یہ حال ہےتو دوسرےاہل زبان کس طرح صرف لغت جاننے سےقرآن پاک کے معنی کومتعین کرسکیں گے۔مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک باوجوداس کے' کہ وہ جامع اور واضح ہے صرف لغت کے جاننے سےاس کے سمجھنے اورمرادات ربانی تک رسائی نہیں ہوسکتی جب تک خود نبی کریم ﷺ منجانب اللہ تعالیٰ اس کے معانی متعین کرکے نہ بتائیں۔فقیراپنے اس قول پر بطور استدلال چندمثالیں پیش کرتا ہے۔غور سے پڑھیں۔

صلوٰۃ کے لغوی معنی:

قارئین کرام! قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر "اقامت صلوٰۃ" کا نہ صرف حکم ملتا ہے بلکہ اس کی بہت تاکید آئی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ "صلوٰۃ" کا کیا مطلب ہے تو اس کے کئی معنی ہیں ایک معنی ان میں سے دعا آتا ہے۔اب اگر صرف لغت پر اکتفاء کریں تو فقط دعا مانگتے رہیں بس تمہارا کام ختم۔

اسی طرح "صلوٰۃ" کا دوسرا معنی "تحريك الصلوين" بھی ہے۔اب اگر کوئی ڈانس کرے اور ناچتا رہے تو کیا اس صورت میں اس کی ڈیوٹی ختم ہوگی؟ کیونکہ اس نے قرآن پاک کے حکم کے اس ظاہری مطلب پر عمل کرلیا جو خود اس نے سمجھ رکھا تھا اور اس نے اپنے اس فریضے کو ڈانس اور ناچ کے ذریعے بخوبی ادا کرلیا۔اس لئے اس کو رکوع وسجود اور سردیوں میں وضو کرنے نیز مسجد جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

صلوٰۃ کی تاکید قرآن پاک میں ہے لیکن اس کی تفصیل ذکر نہیں:

قارئین کرام! بالفرض اگر وہ "صلوٰۃ" سے مراد نماز لے لیں پھر بھی ان کیلئے اس میں اشکال ہے کہ نماز کا طریقہ کہاں سے سیکھیں گے؟ اگر قرآن پاک میں دیکھنا چاہیں تو اس میں اس کا کوئی مخصوص طریقہ تو موجود نہیں اور اگر احادیث میں معلوم کرنا چاہیں تو بھی مشکل ہے کیونکہ اول تو منکرین حدیث کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی احادیث ہمارے دور کے لوگوں کیلئے حجت نہیں اور اگر حجت ہوں تو ان کا پہنچنا بھی قابل اعتماد ذرائع سے نہ ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔اسی طرح نماز دن رات میں کتنی دفعہ اور کتنی کتنی رکعتیں ادا کرنے ہونگے یہ بھی ان کیلئے ایک بڑا مسئلہ ہے۔ہاں اتنی بات ضرور قرآن پاک میں موجود ہے کہ نماز کیلئے جمع کے الفاظ بھی آئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے ﴿حَافِظُوا عَلَى

الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ...... فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ☆﴾(۱) نمازوں کی حفاظت کرو یعنی ان کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرو اور (خاص کر) درمیان والی نماز کی (بہت زیادہ حفاظت کرو اور اس کو وقت پر ادا کرو) ...... پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو تم اللہ تعالیٰ کو (اس طریق سے) یاد کرو جیسا کہ اس نے تم کو سکھلایا ہے (وہ طریق) جس کو تم نہ جانتے تھے۔

اب یہاں پر لفظ "الصلوات" کے جمع لانے سے اتنا معلوم ہوا کہ دن رات میں ایک سے زائد نمازیں فرض ہیں لیکن قرآن پاک کی کسی آیت میں ان کی تعداد واضح طور پر نہیں بتلائی گئی ہے کہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں بلکہ صرف جمع کے لفظ لانے پر اکتفاء فرماتے ہوئے مزید تفصیل معلم کتاب جناب نبی کریم ﷺ کے حوالہ چھوڑ دی۔ نیز آگے "الصلوٰة الوسطیٰ" فرمانے سے درمیانی والی نماز کی اہمیت ذکر کی جس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ یہ نمازیں دو سے بھی زیادہ ہیں لیکن کتنی ہیں یہاں بھی تشریح نہیں فرمائی گئی البتہ اس لفظ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں کم از کم تین ہیں لیکن ان کی تعداد بالوثوق نہیں بتائی جاسکتی اس لئے بامر مجبوری یہی کہنا پڑے گا کہ معلم کتاب اللہ کے قول وعمل کو اس کی تشریح میں بڑا دخل ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ درمیانی نماز جو کہ بہت اہم ہے اس کی بھی وضاحت نہیں فرمائی گئی بلکہ اس کی تشریح بھی قرآن پاک کے شارح کے ذمہ چھوڑی گئی ہے کہ وہ کونسی نماز ہے۔

قارئین کرام! یہاں مزید غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے یہ بعینہ وہی طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ" تم اس طریق سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جو طریق اللہ تعالیٰ نے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم (اس سے

(۱) سورۃ البقرۃ☆۲۳۹، ۲۴۰

قبل) نہیں جانتے تھے''۔اب یہ بات تو واضح ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے وحی نہیں فرمائی اور نہ خود ہم اس کے اہل ہیں اس کے اہل تو انبیاء کرامؑ ہوتے ہیں اور ہمارے نبی کریم ﷺ آخری نبیؐ ہیں اس لئے نبی کریمؐ کے واسطہ کے بغیر نماز کا طریقہ ہم نہیں سیکھ سکتے اور جب بات یوں ہے تو اب نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنا ہوگا کہ آپ ﷺ اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ تو دربار نبویؐ سے حکم جاری ہوتا ہے: "صلوا کما رأیتمونی اصلی" تم اس طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں'' یعنی میری نماز کی طرح نماز پڑھو اب اگر ہم کہیں کہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ نماز ہمارے لئے حجت نہیں یا ہم تک صحیح اور قابل اعتماد ذرائع سے پہنچا نہیں اس لئے یہ طریقہ ناقابل عمل ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب نکالیں گے کہ ہم نے تم کو جو طریقہ ذکر کا سکھلایا ہے اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی یاد (نماز ادا) کرو جس کو تم نہ جانتے تھے۔

محترم قارئین کرام! اگر کوئی کہے کہ ''ذکر'' سے مراد ''نماز'' نہیں ہے تو سیاق وسباق میں غور کرنے سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حالت جنگ میں ''نماز'' کا طریقہ بتایا گیا اب حالت امن میں ''نماز'' کے ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ''نماز'' کا طریقہ اللہ تعالیٰ ہی کا بتایا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے۔لہٰذا ضرور ماننا پڑے گا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ ایک ایسی وحی کے ذریعے حکم فرمایا تھا جو قرآن پاک کے علاوہ ہے جس کو ''سنت'' اور ''وحی غیر متلو'' سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہرحال نبی کریم ﷺ نے وحی کے ذریعے اس ''نماز'' کے طریق کی وضاحت فرمائی ہے اور چونکہ اس طریق سے ''نماز'' کا پڑھنا تا قیامت فرض ہے اس لئے اس کی تشریح بھی تا قیامت برقرار رہنی ضروری ہے لہٰذا احادیث وسنن اور وحی غیر متلو کا حجت ہونا صرف " صلوٰۃ " والی آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

الغرض قرآن پاک کے جامع اور واضح کتاب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ اس میں ہر ہر مسئلہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو نماز کی دلیل سے یہ مطلب غلط ثابت معلوم ہوا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔

صحابہ کرامؓ اہل لسان ہونے کے باوجود قرآنی تشریحات میں نبی کریم ﷺ کے محتاج ہوتے تھے:

صحابہ کرامؓ کا سرور دو عالم ﷺ سے قرآن پاک کے معانی اور مراد الٰہی پوچھنے میں یہی نکتہ ہے کہ قرآن پاک سے مرادات الٰہی وہی ذات معلوم کرسکتا ہے جس پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے ورنہ صحابہ کرامؓ نہ صرف یہ کہ اہل لسان تھے بلکہ اپنے دور کے انتہائی فصیح و بلیغ بھی شمار کئے جاتے تھے لیکن انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ہم خود اہل لسان ہیں آپ ﷺ سے اس کے مطلب کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ ذرا آگے جائیں جب صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے کسی آیت کا مطلب پوچھتے تھے تو بعض اوقات آپ ﷺ بھی اظہار فرماتے: کہ ''اللہ تعالیٰ نے ابھی تک اس کا مطلب مجھے نہیں بتایا ہے'' جس سے واضح ہوتا ہے کہ صرف لغت جاننے سے مرادات ربانی معلوم نہیں ہوسکتے جب تک اس معنی کی وضاحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین نہ ہوجائے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کا پوچھنا:

قارئین کرام! حضرت عدی بن حاتمؓ نہ صرف یہ کہ ایک عظیم صحابیؓ ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپؓ اہل عرب اور اہل لسان بھی ہیں لیکن قرآن کی اس آیت ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾(۱) کے نزول کے وقت

(۱) سورۃ البقرۃ ☆۱۸۷

اسی آیت کے لغوی معنی مراد لینے کی وجہ سے غلطی کے شکار ہو گئے تھے۔وہ یوں کہ انہوں نے اپنے تکیے کے نیچے سیاہ وسفید دو دھاگے رکھے تھے اور اس وقت تک کھانا تناول فرماتے تھے جب تک ان کو ان دو دھاگوں کے درمیان فرق نظر نہ آتا تھا۔سرور دو عالم ﷺ سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ "خیط ابیض" سے ''صبح صادق'' اور "خیط اسود" سے ''رات کی تاریکی'' مراد ہے۔(۱)یعنی جیسے ''صبح صادق'' کی روشنی ظاہر ہونے لگے تو ''سحری ختم'' ہونے سے تھوڑی دیر قبل) کھانا بند کردیں لیکن یہ تو عرف قرآنی ہی سے معلوم کیا جاسکتا تھا اور یہ عرف قرآنی احادیث ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

لغت جاننے کے ساتھ ساتھ اہل زبان کا لہجہ جاننا بھی ضروری ہوتا ہے:

جب تک کسی کو اس زبان کا لہجہ معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کا معنی مرادی جاننا مشکل ہوتا ہے اس لئے بعض اوقات بعض آدمی لغت اور عرف کے جاننے کے باوجود بھی غلطی کھا جاتا ہے مثلاً یہ جملہ کیا بات ہے؟ سوال،تعظیم،تحقیر اور تحیر سب کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً میں پڑھانے میں مشغول ہوں ادھر طلباء آپس میں بولنے لگے۔تو میں نے کہا کیا بات ہے؟ تو یہ سوال ہے اور اگر حافظ محمد ابراہیم مروت کی تلاوت سنتے وقت میں نے کہا کیا بات ہے! اس سے میری مراد اس کی خوش آوازی کی تعریف اور اس کی تعظیم ہے اور اگر یہی لفظ عجائبات قدرت میں سے ایک اعجوبہ کے دیکھنے کے وقت میرے منہ سے نکلے تو تحیر ہے لہٰذا کسی زبان کے جاننے کے لئے اس زبان کی لغت،عرف اور لب ولہجہ کے جاننے کی بھی ضرورت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ایک ڈیوٹی ''معانی قرآن'' کے سمجھانے کا بھی تھا:

قارئین کرام! مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ جب تک کسی زبان کی لغت،عرف

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری کتاب الصوم

اور لب ولہجہ معلوم نہ ہو اس وقت تک اس زبان کی حقیقت کو پہنچنا مشکل ہوتا ہے پس جب عام لوگوں کی زبان کا یہ حال ہے تو اللہ رب العزت کے کلام کے جاننے کے لئے اس کا عرف اور لہجہ کیوں نہیں ہوگا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ڈیوٹیوں میں سے ایک خاص ڈیوٹی الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی ومطالب ربانی کا سمجھانا بھی بتایا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ یعنی اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو تیری طرف نازل کیا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی تبیین وتشریح کریں۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ مجملات قرآن کے " مبیّن " اور مشکلات قرآن کے " مفسِّر " تھے اور یہ بات مسلَّم ہے کہ نبی کریم ﷺ کا بیان وتفسیر خود قرآن میں موجود نہیں اس لئے لامحالہ انہی احادیث کو قرآن مجید کی تفسیر ماننا پڑے گا۔ پس نماز کی بابت وارد ہونے والی حدیث ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کی وضاحت، زکوٰۃ کے متعلق آنے والی حدیث ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ کی تشریح، روزہ کے بارے میں ذکر شدہ حدیث ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ کی تبیین، حج کے متعلق مذکور حدیث ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ لِلّٰهِ﴾ کا بیان اور خیبر کے موقعہ پر گدھوں کی حرمت کی بابت وارد ہونے والی احادیث ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ کی تفسیر ہے اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ سے مجملات ومشکلات قرآن کی تفسیر لینی اور اس پر عمل پیرا ہونا لازمی اور واجب ہے اس لئے تمام احادیث کو لینا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ یہ تمام کتاب اللہ کی تفسیر ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا جامع اور واضح ہونے کا وہ مطلب نہیں جو منکرین حدیث نے لیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا "ظلم" کے معنی کے متعلق نبی کریم ﷺ سے استفسار:

آیئے! مزید وضاحت کیلئے ایک اور مثال سنیں وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ☆ ﴾ (۱)
نازل فرمائی تو صحابہ کرامؓ عرض کرنے لگے: ''یارسول اللہ (ﷺ)! ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے لئے امن نہیں ہے۔'' اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ ''یہاں ظلم سے وہ ظلم جو معروف گناہ ہے مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔''
(۲) معلوم ہوا کہ قرآن فہمی کیلئے صرف عربی زبان اور عربی لغت کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کی بھی اشد ضرورت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تشریح من جانب اللہ ہوتی ہے:

جیسا کہ ابھی قرآنی آیت کے حوالہ سے مذکور ہوا کہ قرآن پاک کا نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے کا مقصد لوگوں کو اس کی تبیین وتشریح تھی لیکن یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ تشریح نبوی ﷺ جناب نبی کریم ﷺ کی اپنی ذاتی تحقیق سے نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ بھی ''مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ'' ہوتی تھی جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ (۳) اے پیغمبر! (ﷺ) آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی پڑھیں (اور اس طرح جلدی پڑھنے سے یاد کریں اس کی حفاظت کی ہم گارنٹی دیتے ہیں آپ اس سے بےفکر رہیں) ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾ (٤) ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ (٥) تو جب ہم اس کو (جبرائیلؑ کے ذریعہ) پڑھنا شروع کریں تو آپ اس وقت خاموش ہو کر سنتے رہیں۔
یہ تو الفاظ کی حفاظت کی گارنٹی ہوئی اب خالق کائنات قرآن پاک کے معانی کی گارنٹی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (٦)

---

(۱) سورۃ الانعام ☆ ۸۲ (۲) دیکھئے صحیح البخاری کتاب التفسیر (۳) سورۃ القیٰمۃ ☆ ۱٦
(٤) ایضا ☆ ۱۷ (٥) ایضا ☆ ۱۸ (٦) ایضا ☆ ۱۹

پھراس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے یعنی اس کی توضیح مشکلات وتبیین کلمات ہمارے ذمہ ہے اس کے معانی ومطالب کے بیان کرادینے کی گارنٹی بھی ہم دیتے ہیں۔اب غور سے سننا آپ ﷺ کا کام ہے اور بعد میں الفاظ ومعانی سمجھا دینا ہمارا کام ہے تا کہ آپ ﷺ امت کو پہنچانے اور سمجھانے کی ڈیوٹی پوری کرسکیں۔

قارئین کرام! آپ حضرات پراب واضح ہوگیا کہ قرآن پاک اگرچہ واضح اور فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اس کی تشریح کیلیۓ اسی استاد ہی کی ضرورت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی تشریح وتبیین کرنے کیلیۓ ان کو منتخب فرمایا ہے۔

اشکال: قرآن پاک کے جامع اورواضح ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

قرآن پاک کے جامع اورواضح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ''قرآن پاک خداشناسی اورآداب عبدیت کے تمام اصولوں پرحاوی ہے۔'' جس کی تفصیل یہ ہے۔

بقولِ امام بخاریؒ "جوامِعُ الکَلِم" کی تفسیر یہ ہے: کہ ''جو باتیں اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بہت (پھیلاوے کے ساتھ) بیان فرمائی تھیں وہ ایک دو جملوں میں جمع کردے۔'' (۱)

علامہ ابن قیمؒ کی تشریح کے مطابق ''"جوامِعُ الکَلِم" وہ کلی اورعام الفاظ ہیں جواپنے تمام افراد کو شامل ہوں اوراپنے اختصار کے باوجوداتنے حاوی ہوں کہ جب ان کی زیادہ سے زیادہ تفصیل کی جائے تو یہ تمام تفاصیل ان سے باہرنظر نہ آئیں پھراتنے واضح اورعام فہم بھی ہوں کہ اس کی مراد سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہ ہواورکوئی شک ووہم بھی پیش نہ آئے۔'' (۲)

---

(۱) صحیح البخاری باب المفاتیح فی ......:۳۸ (۲) ترجمان السنة :۱/ ۱۱۰ بحوالہ اعلام الوقعین :۱/ ۲۲۶

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: کہ "وہ (کلمہ جامعہ) ایک ایسا عام قاعدہ اور کلی جملہ ہوتا ہے جو بہت سے انواع وافراد کو شامل ہو اور اپنے افراد کیلئے موافق اور دوسرے افراد کیلئے اس کے مخالف احکام پر دلالت بھی کرے۔" (۱) جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص زنا کا مقدمہ لاتا ہے آپ ﷺ "لأقضِيَنَّ بينكما بكتابِ الله" یعنی میں کتاب اللہ کے مطابق تمہارا فیصلہ کروں گا" فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس واقعہ میں لڑکے کو کوڑے لگانے کے بعد جلاوطن فرمایا اور عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا لیکن قرآن پاک کو "الحمد لله" سے "والناس" تک غور سے پڑھیں کہیں بھی آپ کو یہ دو باتیں قرآن پاک میں نظر نہیں آئیں گی حالانکہ نبی کریم ﷺ نے "کتاب اللہ" سے فیصلہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں قرآن پاک کی جامعیت ایسی تھی کہ اس کا ایک حکم اپنے تمام کے تمام افراد کو جامع شمار کی جاتی تھی۔

ماہر قرآن پاک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی عورت نے کہا: کہ "میں نے سنا ہے آپ ان عورتوں پر لعنت کرتے ہیں جو جسم کو گودنے کا پیشہ کرتی ہیں یا خود گدواتی ہیں۔" انہوں نے فرمایا: "ہاں!" "جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہو اور جو قرآن میں بھی مذکور ہو میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں؟" اس عورت نے کہا: کہ "قرآن تو میں بھی پڑھتی ہوں مگر میں نے تو قرآن پاک میں کہیں یہ نہیں دیکھا۔" تو آپؓ فرمانے لگے: "اگر آپ سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً اس میں دیکھ لیتی کیا قرآن میں یہ نہیں ہے: ﴿مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ یعنی رسولؐ جو تمہیں دے اسے قبول کرو اور جس بات سے روکے اس سے رک جاؤ۔

عبدالرحمٰن بن یزیدؒ نے ایک محرم شخص کو سلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو اس کو منع فرمایا اس نے کہا قرآن میں کہاں ہے دکھلایئے انہوں نے یہی اوپر ذکر شدہ آیت تلاوت فرمادی۔

(۱) ایضاً: ۱/ ۲۸۹

قرآن پاک میں یہاں ایک اجمالی حکم فرمایا گیا جس کے تحت اس کے تمام فروعات آگئے اور ابن مسعودؓ اورحضرت عبد الرحمٰن بن یزیدؒ کی ان دونوں تشریحات سے ثابت ہوا کہ ﴿مَــا اٰتٰــکُــمُ الایة﴾ نہ صرف مال غنیمت کوشامل ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے اقوال وارشادات کوبھی صحابہ کرامؓ نے شامل جانالیکن مولوی محمد اسلم جیراجوی کا یہ دجل بھی بےسود ہے کہ حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لئے ان کیلئے دینے کا لفظ نہیں کہا جاسکتا۔

الحاصل جامع کا مطلب یہ ہے کہ وہ چند صفات کا حامل ہو۔

(۱)وہ اپنے ماتحت انواع وافراد کو اتنا حاوی ہو کہ موافق ومخالف دونوں پہلوؤں کے حکم پر دلالت کرتا ہویعنی بوقت تفصیل اپنے تمام افراد کوشامل اور غیر فرد کوخارج کرنے والا ہو۔

(۲)اس میں الفاظ کی تنگی بھی نہ ہوجس میں مراد کے خلاف کچھ اور وہم پیدا ہونے لگے۔

(۳)وہ الفاظ اتنے مبہم بھی نہ ہوں کہ جومراد ان کی بتلائی جائے وہ ان سے ظاہر نہ ہو۔

لہٰذا جامعیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی یا وہ اتنا واضح ہو کہ اس کیلئے کسی معلّم ومفسّر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ قرآن پاک خداشناسی اور آداب عبدیت کے تمام اصولوں پرحاوی ہے۔

جواب۲:

قرآن پاک کی جامعیت اوراس کا واضح ہونا اپنی جگہ مسلم ہے قرآن پاک اصول اورکلیات کے اعتبار سے جامع ہے اوراحادیث انہی کلیات کی وضاحت کیلئے ہے۔ نیز وعظ ونصیحت کے اعتبار سے نہایت واضح ہے چنانچہ قرآن پاک کی مختلف آیات میں غورکرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی طور پرقرآن پاک دوقسم کے موضوعات اورعنوانات بیان کرتا ہے۔

ا.......: پہلی قسم کی وہ آیات ہیں جن کا تعلق سادہ حقائق اوران کے عمومی بیانات سے

ہے مثلاً ان آیات میں حضرت آدمؑ کی تخلیق، مسجود ملائکہ بنانا، نسل انسانی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا ذکر، ارض وسمٰوٰت کی تخلیق، کائناتی مظاہر قدرت وحکمتِ الٰہی کا بیان، انبیائے سابقینؑ اوران کی بے راہ وگم گشتہ امتوں کے واقعات کا بیان ہوتا ہے اس کے علاوہ جنت کی نعمتوں، دوزخ کے عذاب اور دیگر ملتے جلتے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

اس پہلی قسم کے موضوعات وعنوانات کیلئے قرآن کریم میں ''ذکر'' یعنی نصیحت، درس اور موعظت کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ یہ پہلی قسم یقیناً سمجھنے میں اس قدر آسان اور عام فہم ہیں کہ کوئی معمولی پڑھا لکھا شخص بھی کسی معاون کی مدد کے بغیر اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ قرآن پاک میں ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ﴾ (۱) کی آیت کریمہ اسی قسم کے موضوعات کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

مذکورہ آیت میں لفظ "للذکر" (یعنی نصیحت حاصل کرنے کیلئے) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے بڑھانے کا اصل مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ قرآن پاک کا عام فہم ہونا پہلی قسم کے موضوعات سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ بنیادی طور پر اسی آیت کریمہ کا مقصد قرآن کریم سے سبق حاصل کرنا ہے اور اسی مقصد کیلئے اس کے آسان اور عام فہم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

۲......: دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جن کا تعلق شریعت کے قوانین وعلل اوران کے متفرق پہلو، احکام کے مصالح وحِکَم، نظریاتی معاملات کی تفصیلی ابحاث اور اس قسم کے علمی موضوعات وعنوانات شامل ہیں۔

قرآن پاک کی ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ الاية﴾ کی آیت سے یہ مسئلہ نکالنا بالکل صحیح نہیں ہوسکتا کہ اسلامی قوانین کی تشریحات، قانونی نزاکتوں کے استنباط اور نظریاتی مباحث

---

(۱) سورۃالقمر ☆ ۲۲

پر بھی اس کے آسان اور عام فہم ہونے کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح پہلی قسم کے موضوعات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔اگر اس دوسری قسم کے موضوعات کی تشریح ،تبیین ،تفسیر اور تعبیر بھی ہر کم علم وکم فہم کیلئے عام ہوتی ،خواہ اس کی علمی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہی کیوں نہ ہوتو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں صرف نبی کریم ﷺ کو کتاب اللہ کی ''تعلیم'' اور ''تفسیر'' کے فرائض ہرگز سپرد نہ فرماتے جیسا کہ بعض آیات ﴿یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ ......﴾ اور ﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ......﴾ میں آپ ﷺ کو ایسی شخصیت کے طور پر متعارف فرمایا گیا ہے جو قرآن کریم کی تعلیم اور تفسیر وتشریح کرتی ہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ''کتاب'' کو ایک ایسے پیغمبر کی ضرورت تھی جو اس کی تعلیم وتشریح بخوبی انجام دے سکتا ہو۔

قرآن پاک میں بعض آیتیں یقیناً تشریح طلب ہیں چنانچہ خود قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے ﴿وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ☆﴾(۱) یعنی اور ہم ان قرآنی مثالوں کو لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔

اب اس بات کے واضح ہونے میں شک نہیں رہا کہ قرآن پاک کے ''آسان اور عام فہم'' ہونے کا مطلب پہلی قسم کے موضوعات کے اعتبار سے ہے اور آپ ﷺ کا مبیِّن معلِّم قرآن ہونے کا مطلب جس سے قرآن پاک کا عام فہم نہ ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری قسم کے موضوعات کے اعتبار سے ہے اور عام فہم ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرآن پاک کے قانونی معاملات اور علمی نتائج کی تشریح کرنے کیلئے پیغمبر دو عالم ﷺ کی ضرورت نہیں ہے۔

اعتراض ۴: آپ ﷺ صرف مبلغ قرآن ہیں:

منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ ''نبی کریم ﷺ کی حیثیت ایک سفیر، قاصد اور ڈاکئے کی ہے ۔قرآن کی تفسیر وتشریح آپ ﷺ کی فرض منصبی میں داخل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) سورۃ العنکبوت ☆ ۴۳

آپ ﷺ کو اپنے کلام کو مخلوق تک پہنچانے کیلئے ایک واسطہ بنایا ہے۔قرآن پاک میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ☆﴾ (۱) یعنی ہم پر نہیں ہے مگر واضح پیغام پہنچا دینا۔اسی طرح ارشاد الٰہی ہے:﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ☆﴾ (۲) یعنی اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ بے شک ہمارے رسول پر واضح پیغام پہنچا دینا ہے۔ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ☆﴾ (۳) یعنی رسول پر نہیں ہے مگر واضح پہنچا دینا۔آپ ﷺ نے قرآن پاک کا وہ فریضہ بطریق احسن ادا فرمایا اس لئے اسی کلام پاک پر عمل کرنا ضروری ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اور احادیث پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان پر عمل کرنا واجب ہے۔''

جواب ا:

نصوص قرآنی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرامؑ کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام مخلوق تک پہنچانا نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کے ذمے کتاب الٰہی کی تفسیر وتشریح اور مرادات الٰہی کا بتانا بھی ہوتا تھا۔اسی طرح صرف قولی وعلمی بیان بھی بعض اوقات کافی نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کے ذمے یہ بھی ہوتا تھا کہ عملی طور پر کوئی ایسی مثال قائم کریں جو اِن ہدایاتِ ربانی پر سو فی صد پوری اترتی ہو اور جو امت کیلئے ایک راہ پر گامزن ہونے کو متعین کر سکے کیونکہ امت پر ان تشریحات کا ماننا اور ان پر عمل کرنا لازمی اور واجب ہے۔یہی حال نبی کریم ﷺ کا بھی ہے بلکہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے متعلق قرآن پاک کی بہت سی آیات کے واضح احکام ہیں جن کے تحت مسلمانوں پر نبی کریم ﷺ کی پیروی اور اطاعت کرنا لازم فرمایا گیا ہے اور جن کو قرآن پاک نے دو مختلف اصطلاح سے تعبیر فرمائے ہیں۔

---

(۱)سورۃ یٰسٓ☆۱۷(۲)سورۃ المائدۃ☆۹۲(۳)سورۃ النور☆۵۴

(۱)''نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرنا''یعنی''آپ ﷺ کی بات ماننا۔''اس اصطلاح کا تعلق نبی کریم ﷺ کے''ارشادات''سے ہے۔

(۲)''نبی کریم ﷺ کا اتباع''یعنی''پیروی کرنا۔''اس کا تعلق نبی کریم ﷺ کے افعال واعمال سے ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دے کر دونوں کو حتمی اور لازمی حجت قرار دیا ہے۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ حضرات پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ کی''اطاعت''اور''اتباع''دونوں کا حکم دیا ہے اور ان سے انحراف کرنے والوں کو کافر تک فرمایا ہے۔یہ صرف دعویٰ نہیں ہے بلکہ قرآن پاک کی بہت سی آیات میں یہ حکم موجود ہے جن میں سے فقیر چند آیات کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔غور سے مطالعہ فرمائیں!

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کا حکم اور اس سے روگردانی کی نہی فرماتے ہیں چنانچہ فرمان الٰہی ہے:
﴿یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ☆﴾ (۱) یعنی اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہنا (خوشی سے) مانو اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سن تو لیتے ہی ہو۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں مسلمانوں کو آپ ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کرنے سے پرہیز کا حکم فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد عالی ہوتا ہے:﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَا حْذَرُوْا﴾ (۲) یعنی اور تم اللہ تعالیٰ کا کہنا (خوشی سے) مانو اور رسول کا کہنا (بھی خوشی سے) مانو اور احتیاط رکھو۔

---

(۱)سورۃالانفال☆۲۰ (۲)سورۃالمائدۃ☆۹۲

بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ایمان کی شرط رکھی ہے کہ اگر تم مؤمن ہو تو اطاعت کرو گے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ☆﴾ (۱) یعنی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

ایک آیت میں نبی کریم ﷺ کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ ہماری ڈیوٹی بھی متعین فرمائی ہے کہ تمہاری ڈیوٹی آپ ﷺ کے فرامین کی اطاعت کرنا ہے تب ہی ہدایت نصیب ہوگی چنانچہ فرمان الٰہی ہوتا ہے: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ......﴾ (۲) یعنی آپ (ﷺ) فرما دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول ؐ کی اطاعت کرو پھر اگر تم روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ رسول (ﷺ) کے ذمہ وہی ہے جس کا آپ (ﷺ) پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو ہدایت پاؤ گے۔

ایک دوسری جگہ مؤمنین سے خاص خطاب فرماتے ہوئے اعمال کو ضائع ہونے سے بچانے کا حکم فرمایا ہے لیکن اس کے ساتھ اطاعت رسول ؐ کا حکم بھی موجود ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (۳) یعنی اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول (ﷺ) کا کہنا (خوشی سے) مانو اور اپنے اعمال کو (اس سے روگردانی کرتے ہوئے ضائع اور) برباد نہ کرو۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے صرف اعمال کے ضائع ہونے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کو کافر تک فرمایا ہے چنانچہ فرمان جاری ہوتا

---

(۱) سورۃ الانفال ☆ ۱ (۲) سورۃ النور ☆ ٥٤ (۳) سورۃ محمد ☆ ۳۳

ہے:﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ☆﴾(۱) یعنی آپ (ﷺ) فرما دیجئے! کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں فرماتے۔ یہاں اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کے چھوڑنے والوں کو کافر فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ سورت میں اپنی رحم، اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے معلق فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ☆﴾(۲) یعنی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو تا کہ تم رحم پر کیا جائے۔

محترم قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے بعض آیات میں اپنی اطاعت اور اپنے نبی کریم ﷺ کی اطاعت پر جنتوں کا وعدہ اور اطاعت سے روگردانی کرنے پر وعید سنائی ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے:﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ الاية﴾(۳) یعنی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا کہنا (خوشی سے) مانے گا (اور اس کی پوری پوری اطاعت کرے گا تو) اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

ذرا آگے چلتے ہیں مندرجہ بالا آیت میں اطاعت کرنے والوں کی بارے میں جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا تھا یہاں جنت میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں انبیاءؑ، صدیقینؒ شہداءؒ اور صالحین واولیاءؒ کے ساتھ رہنے کا وعدہ فرمایا ہے:﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ ...... ☆﴾(٤) یعنی اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور وہ لوگ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

---

(۱)سورة آل عمران☆۳۲ (۲)ایضاً☆۱۳۲ (۳)سورة النساء☆۱۳ (٤)ایضاً☆ ٦٩

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی اور اپنے رسول ؐ کی اطاعت کا حکم فرمایا تھا اب اس کے ساتھ ساتھ "اولوالامر" کی اطاعت کا حکم بھی فرما رہے ہیں لیکن "اولوالامر" میں مستقل اطاعت کا لفظ نہیں لاتے جیسا کہ رسول ﷺ کے ساتھ مستقل لفظ اطاعت لائے ہیں کیونکہ "اولوالامر" کی اطاعت خود مستقل حیثیت کی حامل نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مستقل حیثیت کا حامل ہیں بلکہ "اولوالامر" کا حکم صرف قرآن وسنت کے تابع ہونے کی صورت میں مانا جانے گا لیکن اگر کسی "اولوالامر" یعنی مجتہد کو اپنے حکم کے بارے میں شک گزرے کہ یہ قرآن وسنت کے تابع ہے یا نہیں تو ان کو اس حکم میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ......﴾ (۱) یعنی اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا (خوشی سے) مانو اور رسول (ﷺ) کا کہنا (بھی خوشی سے) مانو اور تم میں جو اہل امر ہیں (ان کا کہنا بھی) پس اگر تم (اے اہل امر) آپس میں کسی چیز میں اختلاف کرنے لگو تو اس چیز کو اللہ تعالیٰ اور رسول پر پیش کرو الخ۔

مطلب یہ ہے کہ آپس میں جھگڑے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف رجوع کرو اور اگر کتاب اللہ میں وہ مسئلہ حل نہیں پایا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو اگر زندہ ہوں اور اگر اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہوں تو سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ "اگرچہ دراصل مطاع اللہ تعالیٰ ہی ہیں لیکن باوجود اس کے رسول ﷺ میں عامل کا اعادہ فرمایا جبکہ اولی الامر اس کے برخلاف عامل کے بغیر لایا ہے اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے: "اطیعوااللہ فیما نص علیکم

(۱) ایضاً ☆ ۵۹

فی القرآن و اطیعوا الرسول فیمابین لکم من القرآن ومابینصه علیکم من السنة " یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرواس چیز میں جوقرآن پاک میں تم پرنصاً وصراحتاً بیان فرمائے اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کروان چیزوں میں جوتمہیں قرآن پاک کی تفسیر وتبیین فرمائے اور جو سنت میں نص اورتصریح فرمائے۔'' اسی طرح فرماتے ہیں:''اور یا اس کامعنی یہ ہے: کہ ''اللہ تعالیٰ کی اطاعت وحی متلو میں اوررسول اللہ ﷺ کی وحی غیر قرآن یعنی وحی غیر متلو میں کرو۔''(۱)

قارئین کرام! آیئے! ایک اور آیت پڑھ کر محظوظ ہوں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہم نے ہرایک رسولؑ کو اس لئے بھیجا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے چنانچہ ارشادہوتاہے:﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾(۲) یعنی اورہم نے تمام پیغمبروں کوخاص اسی واسطے بھیجے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب ان کی اطاعت کی جائے۔

ذراسوچنے کی بات ہے کہ منکرین حدیث نبی کریم ﷺ کی بات ماننے کولازم نہیں قراردیتے اورآپ ﷺ کوایک قاصد کی حیثیت دیتے ہیں اگران کی بات صحیح ہوجائے تو ہمیں نبی کریم ﷺ کی مخالفت سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا حالانکہ یہ صریح حکم قرآنی کے خلاف ہے بلکہ قرآن پاک توصاف اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی مخالفت تمہیں جہنم کی طرف دھکیل دے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا......﴾ (۳) یعنی اورجوشخص اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول (ﷺ) کا کہنا نہ مانے گااور (بالکل ہی) اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کردیں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ﴿وَمَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ☆﴾ (٤) یعنی اورجوشخص اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے تواللہ سخت سزادیتے ہیں۔﴿اَلَمۡ

(۱)فتح الباری(۲)سورۃالنساء ☆٦٤(۳)ایضاً☆١٤(٤)سورۃالانفال☆١٣

﴿یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّہٗ مَنۡ یُّحَادِدِاللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ......☆﴾(۱) یعنی کیا ان کو (اس بات کی) خبر نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا تو ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نصیب ہوگی۔

قوی امید ہے کہ آپ حضرات کے دل و دماغ میں یہ بات رسوخ کرگئی ہوگی کہ محمد ﷺ کی اطاعت بحیثیت ایک رسول ﷺ ہونے کے لازمی امر ہے لیکن مزید وضاحت کیلئے عرض ہے کہ قرآن پاک کی بعض آیتوں میں صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا سرے سے ذکر تک نہیں ہے اور وہاں بھی اپنی رحم کو نماز وزکوٰۃ کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی اطاعت سے معلق فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴾ (۲) یعنی اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول (ﷺ) کے حکم پر چلو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی بجائے نافرمانی کو اپنا شیوہ بنایا ہو تو قیامت کے دن باقاعدہ طور پر وہ لوگ اظہار ندامت کریں گے: کہ" کاش زمین ان پر ہموار کردی جاتی۔" چنانچہ ارشاد عالی ہوتا ہے: ﴿یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰی بِہِمُ الۡاَرۡضُ﴾ (۳) یعنی اس روز جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول (ﷺ) کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین کے برابر ہو جائیں۔

منکرین حدیث ذرا دل تھام کر پڑھیں کہ قرآن پاک میں صرف نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرنے اور مسلمانوں کی راہ چھوڑنے پر جہنم کی وعید ذکر کی گئی ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا☆﴾ (۴) یعنی اور جو

---

(۱) سورۃالتوبۃ☆۶۳ (۲) سورۃالنور☆۵۶ (۳) سورۃالنساء ☆ ۴۲ (۴) ایضاً☆۱۱۵

جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

اب عرض ہے کہ مؤمنوں کا راستہ گزشتہ تیرہ' چودہ سو سال کیا تھا یہی اطاعت رسول ﷺ کے وجوب اور اس پر عمل کرنے کا' لیکن منکرین حدیث نے نہ اطاعت رسول (ﷺ) کی اور نہ مؤمنین کے راستے کو اختیار کیا اس لئے فقیر ان حضرات کو دل کی گہرائیوں سے یہ مخلصانہ مشورہ دیتا ہے کہ اپنے آپ پر رحم فرمائیں یہ دنیا فانی ہے احکام دنیا چند روزہ ہیں اسی تکلیف کو تھوڑا سا برداشت فرمائیں اور آخرت کی حیات جاودانی سے سرفراز ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ حق پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اٰمین۔

رسول کریم ﷺ کا اتباع:

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی فعلی و عملی پیروی کرنے کو اتباع سے موسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں کئی جگہ آپ ﷺ کے اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اتباع کو اپنی محبت کی نشانی بتائی ہے اور اس اتباع پر اپنی محبت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ......☆﴾ (۱) یعنی آپ (ﷺ) فرما دیجئے! کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے......۔

دوسری جگہ ایمان باللہ والنبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اتباع کرنے کا ثمرہ ہدایت کا پانا بتایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ

(۱) سورۃ اٰل عمران ☆ ۳۱

﴿یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ☆﴾(١) یعنی پس تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اوراس کے نبی امی (علیہ وسلم) پر جو کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اوران کا اتباع کروتا کہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کرنے والوں پر اپنی توجہ کا اعلان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے ﴿لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ☆﴾(٢) یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار پر بھی جنہوں نے تنگی کے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین کیلئے اپنی کفایت کا اعلان فرمایا ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ☆﴾(٣) یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کیا۔

ایک اور آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کے ساتھ اتباع کرنے والوں کا راستہ بھی یہی دعوت توحید بتایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ﴾ (٤) یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیجئے! کہ یہ میری راہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں بھی دلیل پر قائم ہوں اور میرے ساتھ والے بھی۔

اسی قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ندامت وحسرت کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے منہ موڑا ہے چنانچہ ارشاد رب العلمین ہے: ﴿وَاَنۡذِرِ

(١)سورۃ الاعراف☆١٥٨ (٢)سورۃ التوبۃ☆١١٧ (٣)الانفال☆٦٤ (٤) یوسف☆١٠٨

النَّاسَ یَوۡمَ یَأۡتِیۡهِمُ الۡعَذَابُ فَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ......☆﴾(۱) یعنی اورآپ(ﷺ)ان لوگوں کواس دن سے ڈرایئے جس دن ان پرعذاب آپڑے گا پھریہ ظالم لوگ کہیں گے: کہ'' اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کومہلت دے دیجئے ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گےاورپیغمبروں کا اتباع کریں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ سے پہلے بیت المقدس کےقبلہ بنانے کا خاص ثمرہ یہی بیان فرمایاہے کہ کون نبی کریمﷺ کا اتباع کرتاہےاورکون الٹے پاؤں پھرجاتا ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے ﴿وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَةَ الَّتِیۡ كُنۡتَ عَلَیۡهَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡهِ......☆﴾(۲) یعنی اورجس قبلے پرتم تھےاس کوہم نے اس لئے مقررکیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون پیغمبر کے تابع رہتا ہےاورکون الٹے پاؤں پھرجاتا ہے۔''

الغرض ہمیں ہرحال میں نبی کریمﷺ کےاتباع اورپیروی کرنے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہےاس میں یہ نہیں ہے کہ جب تمہارے ہاں موجود ہوں تو آپﷺ کا اتباع کرواورجب اس دنیا سے رحلت فرمائیں تو خوداپنے لئے مفسرقرآن بن جائیں۔ یہ بات کتنی عجیب' دکھ اورافسوس کی ہے کہ غلام احمد پرویز جو(قرآن پاک کی تشریح کی غرض کیلئے نہیں بھیجا گیا بلکہ)ایک عجمی اورغیراہل لسان ہونے کی وجہ سےقرآن پاک اوراہل عرب کےمحاورات سے ناخبراپنے آپ کوقرآن پاک کی تشریح کرنے کیلئے پیش کرتے ہوئے اس کی نہ صرف تفسیرکرتا ہے بلکہ اپنی تشریح اورقول کولوگوں پرمسلط کرنا چاہتا ہےلیکن جس مقصد کیلئے نبی کریمﷺ کومبعوث فرمایا گیا ہےاس ذات کی تشریح ناقابل اعتباراورناقابل اعتماد منوانے پرتلا ہوا ہے۔

---

(۱)سورۃابراھیم☆٤٤(۲)سورۃالبقرۃ☆١٤٣

یہاں اس بات کا اظہار بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور چودھری غلام احمد پرویز کی تعبیرات میں کوئی فرق نہیں دونوں کا موقف اور مشن ایک ہی تھا اور آج بھی ان دونوں کی ناپاک اور خبیث ذریت اسی مشن کو لیکر آگے بڑھ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے شر ور وفتن سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔آمین۔

الحاصل جیسا کہ نصوص قرآنی سے آپ کو ثابت ہو چکا کہ آپ ﷺ نہ صرف تالی (قاری) قرآن ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ معلم کتاب وحکمت اور مبین وشارح قرآن بھی ہیں۔لیکن اگر بالفرض نبی کریم ﷺ کو معلم قرآن نہ مانا جائے تو جو احکام قرآن' نصوص قرآنیہ میں بلا تفصیل کے ذکر ہیں ان پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟ اسی طرح جو الفاظِ قرآن مشترک ہیں ان کے معنی کیسے متعین کئے جائیں گے۔؟

اس لئے بالیقین یہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہم نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو نظر انداز کر کے اپنی من پسند تفسیر کرنا شروع کریں تو بے دینی کا بڑا باب کھلے گا اور اس کے نتیجے میں جو فساد پھیلے گا وہ کسی عاقل سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔جیسا کہ منکرین حدیث نے بے دینی کا ایک بہت بڑا باب کھولا ہے اور جس کا فساد آج کل کسی سے بھی مخفی نہیں ہے جو مختلف انداز اور مختلف ناموں سے اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔

جواب۲:

امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی دو قسمیں ہیں (۱) امت دعوت یعنی مشرکین وکفار اور (۲) امت اجابت یعنی اہل اسلام وایمان۔جن آیات طیبات میں نبی کریم ﷺ کا فرض منصبی صرف دعوت وتبلیغ قرار دیا گیا ہے وہاں ان آیات سے اہل اسلام وایمان نہیں بلکہ ان آیات مبارکہ کے مخاطبین اور مامورین صرف "امت دعوت" یعنی کفار ومشرکین ہوتے

ہیں اور جن آیات طیبات میں آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں ان آیات مبارکہ کے مخاطب ''امت اجابت'' یعنی اہل اسلام وایمان ہیں اور وہ ان شاء اللہ تا قیامت رہیں گے۔ اس لئے آپ ﷺ کی اطاعت واتباع بھی تا قیامت ضروری ہے۔

جواب ۳:

ان آیات میں ''بلاغ'' کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رسول کریم ﷺ کا کام بس قرآن پاک پہنچانا ہے اور وضاحت کرنا' اس پر عمل کر کے دکھانا ہمارے پیغمبر ﷺ کا کام نہیں ہے۔ تم خود جس طرز سے اس پر عمل کر سکتے ہو کرو بلکہ یہاں ''بلاغ'' ''اکراہ'' کے مقابلہ کیلئے آیا ہے کہ ہم تم پر جبر واکراہ کر کے تم کو مسلمان نہیں بناتے بلکہ ہمارا کام آپ لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اب تمہاری مرضی کہ خوشی سے قبول کرتے ہو یا نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (۱) کہ دین کے معاملہ میں جبر واکراہ اور زبردستی نہیں ہے۔

قرآن پاک میں اوصاف نبوی ﷺ کے ذکر کرنے سے حجیت حدیث کا ثبوت:

نبی کریم ﷺ کے اوصاف مبارکہ میں غور کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ''واجب الاتباع'' ہیں آپ ﷺ کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ کا کئی ایسے اوصاف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جن سے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا حجت ہونا صراحتاً معلوم ہوتا ہے۔

۱......: واجب الاتباع: چنانچہ قرآن پاک میں آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو ﴿اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور ﴿اِتَّبِعُوْنِيْ﴾ جیسے امر کے صیغوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جس سے ''وجوب'' ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ☆۲۵۶

۲......: **مفسر قرآن**: جیسا کہ ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ سے واضح ہے۔

۳......: **شارع احکام**: جیسا کہ قرآن پاک ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثِ﴾ (۱) کے ساتھ اس صفت کا اعلان کرتا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ ان کیلئے طیبات کو حلال اور خبیث اشیاء کو حرام ٹھہرائیں گے۔

۴......: **مربی ومزکی**: خود اللہ تعالیٰ نے ﴿وَيُزَكِّيكُمْ﴾ کے ساتھ اعلان فرمایا ہے۔

۵......: **قاضئ خصومات**: خود قرآن پاک نے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ میں آپ ﷺ کے حَکَم اور قاضئ خصومات کا اعلان فرمایا ہے۔

۶......: **نورِ ہدایت**: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نور ہدایت مبعوث فرمایا جیسا کہ ﴿قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ﴾ (۲) سے واضح ہے۔

۷......: **آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ مؤمنین کیلئے نمونہ ہے**: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو نمونہ اور کسوٹی کے طور پر پیش فرمایا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ☆﴾ (۳)۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے اقوال وارشادات اور افعال واحوال کی بنیاد اور اساس ہونے میں اصل کبیر کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا: کہ لوگ یوم احزاب میں آپ ﷺ کے صبر، برداشت، استقامت، مجاہدے اور اپنے رب عز وجل سے فراخی کی امید باندھنے میں تا قیامت اپنے لئے اساس اور بنیاد بنائے اور اسی وجہ سے ان لوگوں کو جنھوں نے اپنے آپ کو کم اور قلیل پایا اور اپنے امر میں اضطراب کے شکار ہوئے، کو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ......☆﴾ کا

---

(۱) سورۃ الاعراف☆۱۵۷ (۲) سورۃ المائدۃ☆۱۵ (۳) سورۃ الاحزاب☆۲۱

امر فرمایا: کہ تم نبی کریم ﷺ کی اقتداء کرو اور آپ ﷺ کے شمائل کو اپنے لئے اساس بناؤ۔

۸......: **داعی الی اللہ**: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ﴿وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ﴾ کا سرٹیفیکیٹ عطا فرمایا۔

۹......: **سراج منیر**: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ﴿سِرَاجًا مُّنِيْرًا ☆﴾ (۱) ایک ہی آیت میں ''داعی الی اللہ'' اور ''روشن چراغ'' جیسے دو خطابوں سے نوازا ہے اور جب نبی کریم ﷺ ''داعی الی اللہ'' ہونے کے ساتھ ''روشن چراغ'' بھی ہوئے تو یقیناً آپ ﷺ کی ہدایات بے داغ اور قابل اتباع ہوں گی کیونکہ لالٹین کے ذریعے اندھیرے میں اپنی منزل مقصود تک پہنچنا ہی مطلوب ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ کی زندگی، آپ ﷺ کے ارشادات یعنی سنت نبویؐ اگر ہمارے لئے حجت اور منزل مقصود تک پہنچانے کا وسیلہ اور ذریعہ نہیں تو آپ ﷺ کو روشن لالٹین بنانا بھی بیکار ہوا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا پس نبی کریم ﷺ کا منزل مقصود تک پہنچانے کا ذریعہ ہونا اور روشن لالٹین یعنی حجت ہونا ثابت ہوا۔

۱۰،۱۱......: **معلم کتاب، معلم حکمت**: جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ ''معلم کتاب'' ہیں بلکہ آپ ﷺ ''معلم حکمت'' (سنت) بھی ہیں اور معلم کی ہر تعلیمی بات حجت ہوتی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کی ہر بات جو قرآن کی تعلیم اور تشریح میں فرمائیں وہ حجت ہوگی۔

۱۲......: **آپ ﷺ کا پورے عالم کیلئے مبعوث ہونا**: اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو کئی جگہ مختلف الفاظ سے بیان فرمایا ہے جیسا کہ تمام لوگوں اور عالم کیلئے بشیر ونذیر ہونے کی تصریح خود قرآن میں موجود ہے جو آپ ﷺ کے ہر قول یعنی حدیث کی حجیت پر دال ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ☆﴾ (۲) یعنی ''اور تجھ کو ہم نے سارے لوگوں کیلئے خوشی اور ڈر سنانے والا

---

(۱) سورۃ الاحزاب ☆ ٤٦ (۲) سورۃ سبا ☆ ۲۸

بھیجا لیکن بہت سے لوگ نہیں سمجھتے۔'' نیز ارشاد ہوتا ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ﴾(۱) اور یعنی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ تمام عالموں کیلئے ڈرانے والے ہوجائیں۔ اور ارشاد عالی ہوتا ہے ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ﴾(۲) یعنی تو کہہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

۱۳......: اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویٰ کی کسوٹی: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے ﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ...... ﴾(۳) (جس کا ترجمہ گزر چکا ہے)

اب اگر آپ ﷺ العیاذ باللہ ایک ڈاکیے کی حیثیت کے حامل ہوں تو پھر آپ ﷺ کا اتباع اور آپ ﷺ کے عمل کے مطابق زندگی گزارنے کی فضول شرط کیوں لگائی گئی؟ تو بات واضح اور صاف ہے کہ اس شرط لگانے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث وسنت کی حجیت کا راز اور سر پنہاں اور مضمر ہے۔

۱۴......: تالیِ قرآن وحکمت: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو قرآن پاک میں کئی جگہ اس صفت سے موصوف فرمایا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں اعلان ہوتا ہے: ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ﴾(٤)، ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا﴾(٥)، ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾(٦) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ......﴾(۷) سے بھی

---

(۱) سورۃ الفرقان ☆۱ (۲) سورۃ الاعراف ☆۱۵۸ (۳) سورۃ آل عمران ☆۳۱
(٤) سورۃ البقرۃ ☆ ۱۲۹ (٥) ایضاً ☆۱۵۱ (٦) سورۃ آل عمران ☆ ۱٦٤، سورۃ الجمعۃ ☆ ۲ (۷) سورۃ الاحزاب ☆ ۳٤

معلوم ہوتا ہے کہ امہات المؤمنینؓ کے گھروں میں قرآن وحکمت کی تلاوت کی جاتی تھی تو قرآن وحکمت کون سناتے تھے؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں کے سنانے والے نبی کریم ﷺ ہی تھے۔اب اگر آپ ﷺ کا بیان کرنا حجت نہ ہوتا تو العیاذ باللہ یہ لایعنی کام خود نبی کریم ﷺ نے کیوں کیا؟ جبکہ خود نبی کریم ﷺ فضول کاموں کے ترک کرنے کی عام مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہیں: "من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه" یعنی کسی شخص کے اسلام کے حسن میں سے اس کا بے فائدہ اور فضول کام کو چھوڑنا ہے اور یہاں صرف خود تلاوت نہیں فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ازواج مطہراتؓ کو ان آیات اور حکمت یعنی سنت سے نصیحت پکڑنے کا امر فرماتے ہیں۔

۱۵......: مبلّغ ما انزل الیہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه﴾(۱) میں نیز اس سے قبل وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ پر کتاب وحکمت (یعنی قرآن وسنت) دونوں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾(۲) تو دونوں کے مبلغ ہونے سے آپ ﷺ کی حدیث وسنت کا حجت ہونا بھی معلوم ہوا۔

اعتراض ۴: اللہ ہی کیلئے حاکمیت ہے:

منکرین حدیث کا کہنا ہے: خود قرآن کریم میں ہے کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلے گا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه﴾(۲) نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور جب حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے تو پھر اطاعت رسول ﷺ کیسے جائز ہوسکتی ہے؟

---

(۱)سورۃ المائدۃ☆۶۷(۲)سورۃ النساء ☆۱۱۳(۳)سورۃ یوسف ☆۶۷

جواب:

اہل سنت والجماعت بھی یہی کہتے ہیں: کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حاکمیت چلے گی کسی اور کی حاکمیت نہیں چلے گی جیسا کہ قرآن پاک کے حوالہ سے ذکر کیا گیا لیکن سمجھ سمجھ کا فرق ہوتا ہے۔

قارئین کرام آیئے! قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتے ہوئے خود قرآن کریم ہی سے پوچھتے ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ ہمیں کوئی چیز عنایت فرمائیں تو اس حکم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا فرمان ہے؟ ہمیں اس کا حل قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنی طرف سے نہیں بولتے وہ تو اللہ تعالیٰ کے وحی ہی سے بولتے ہیں یعنی جو دینی یا دنیاوی معاملات کی بابت حتمی احکام بیان فرماتے ہیں وہ وحی ہی میں شمار اور داخل ہیں۔ وحی سے علیحدہ نہیں ہیں، چاہے وہ قرآن سے باہر احادیث کی شکل میں کیوں نہ ہوں چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ☆﴾ (۱) یعنی اور (نبی کریم ﷺ) اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتے یہ تو بھیجا ہوا حکم ہے۔

اب ہم پھر قرآن سے سوال کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے نہیں بولتے بلکہ وحی ہی سے بولتے ہیں پھر ان کی اطاعت کرنے کی بابت اللہ تعالیٰ کا کیا فرمان ہے؟ تو قرآن پاک خود گویا ہوتا ہے کہ ہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ أَطِيْعُوا اللهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ (۲) یعنی کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو۔

آگے ہم پھر قرآن ہی سے پوچھتے ہیں: کہ اگر کسی نے ان دونوں کی اطاعت نہ کی اور ان کی اطاعت سے منہ موڑا تو پھر اس کو کس زمرے میں شمار کیا جائے گا؟ تو قرآن ہی اسی

---

(۱) سورۃ النجم ☆ ۳،٤ (۲) سورۃ آل عمران ☆ ۳۲

مذکورہ آیت میں جواباً کہتا ہے: کہ ایسا شخص کافروں کے زمرے میں شمار ہوگا اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کے ساتھ محبت نہیں کرتے اور نہ ان کو پسند فرماتے ہیں: ﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ☆﴾ (۱) یعنی اگر (یہ لوگ ان دونوں کی اطاعت سے) اعراض کریں تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔

اب ہم مزید قرآن سے عرض کرتے ہیں: کہ اگر کسی نے صرف رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی تو کیا وہ بھی کفار کے زمرے میں شمار ہوگا یا اس کو اللہ تعالیٰ کا اطاعت ہی کہیں گے ؟ تو خود قرآن کریم ہی اعلان کرتا ہے: کہ ہاں ہاں! اس کو اللہ تعالیٰ ہی کا اطاعت گزار کہیں گے کیونکہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی یعنی رسول کریم ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ دل کے کانوں کو کھول کر سنیں! رب العٰلمین فرماتے ہیں: ﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (۲) یعنی جس سے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے آپ ﷺ کو حَکَم تسلیم نہ کرنے والوں کو ایمان سے خارج بتایا ہے اور صرف حَکَم بنانے پر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوئے بلکہ مزید سخت حُکم کا اعلان فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ کو حَکَم تسلیم کرنے کے بعد پھر اس فیصلہ کو دل ہی سے مانیں گے۔ دل میں قدرے تنگی بھی نہیں لائیں گے بلکہ مکمل سر تسلیم خم کرنا پڑے گا ورنہ پھر بھی اپنے آپ کو مؤمن کہلانے کا حقدار نہیں ہوگا آیئے احکم الحاکمین کا فرمان سنیں: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ☆﴾ یعنی پھر قسم ہے آپ کے رب

(۱) ایضاً (۲) سورۃ النساء ☆ ۸۰ (۳) ایضاً ☆ ٦٥

کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید سے قسم کے ساتھ اعلان فرمایا ہے: کہ زندگی میں آنے والے جتنے معاملات اور منازعات ہیں ان میں سے ہر ایک میں نبیؑ کو فیصل ماننا اور بلا کسی چون و چرا برضا وخوشی ہر فیصلے کو سچا جاننا، ماننا اور تسلیم کر لینا یہ ایماندار بننے کی شرط ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی امیر کی ایسی اطاعت ضروری نہیں ہوتی جبکہ نبی کریم ﷺ کی ایسی اطاعت کا حکم ماننے کا امر فرمایا گیا ہے۔

یہاں اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ کسی امیر کی اطاعت کو لازم پکڑنا اسلام کے شرائط میں سے نہیں ہے اور نہ کسی کے مسلمان ہونے کیلئے لازم ہے جبکہ سرور دو عالم ﷺ کو ہر بات میں اپنا فیصل ماننا مسلمان ہونے کی شرط قرار دی گئی ہے اور آپ ﷺ کی ایسی اطاعت کہ دل میں کوئی تنگی بھی نہ لائے بلکہ دل ہی سے اس کو حق جانتے ہوئے ظاہری اور باطنی انقیاد کرے اور اس کو بغیر کسی منازعت، مدافعت اور ممانعت کے تسلیم کلی کے ساتھ مان لے۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو ہر بات میں فیصل ماننا اور ہر فیصلے کو بخوشی قبول کرنے کا رسول ہونے کی حیثیت سے لازم ہونا امر شرعی ہے۔

مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ☆ ﴾(۱) یعنی اور جو شخص اس کے بعد کہ امر حق ظاہر ہو چکا تھا رسول

---

(۱) ایضاً ☆ ۱۱۵

(ﷺ) کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ جانے کی بُری جگہ ہے۔

قارئین کرام! یہاں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اصول بیان فرما کر ان کی مخالفت کرنے پر جہنم کی وعید سنائی۔

ان میں سے پہلا اصل نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرنے کی سزا میں بیان کی گئی ہے لیکن اس میں چند مسائل اور احکام کی تخصیص نہیں بلکہ عموم فرمائی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے: کہ اگر کسی نے زندگی کے کسی شعبے میں رسول کریم ﷺ کی کسی ایک حکم کی بھی مخالفت کی تو اس کی سزا جہنم ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ہر حکم کو ماننا تشریعی لحاظ سے ضروری اور لازمی امر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرا اصل یہ بیان فرمایا کہ جو شخص مؤمنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر گامزن ہوگا تو اس کی سزا جہنم ہے۔اب مؤمنین کا طریقہ کیا ہے؟ کیا دور صحابہؓ میں جو کہ کامل مؤمنین تھے' کسی نے حدیث کی حجیت سے انکار کیا ہے؟ کہ اب تو نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان میں نہیں رہے اس لئے ہمارے لئے اب آپ ﷺ کے کسی ارشاد اور حکم کی تعمیل کرنی ضروری نہیں ہے۔نہیں ہرگز نہیں! بلکہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب خلافت کا واقعہ پیش آیا اور مدینہ کے انصارؓ نے کہا: کہ "ہم میں سے ایک خلیفہ ہوگا اور مہاجرین میں سے بھی ایک خلیفہ ہوگا۔" تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ پڑھا اور جب "الائمة من قريش" کا فرمان رسول ﷺ ذکر کیا تو اسی وقت سب نے اپنی بات واپس لی اور سر تسلیم خم کرنے لگے۔جس سے حدیث کی حجیت پر اجماع صحابہؓ بھی معلوم ہوا بلکہ بعد کے زمانہ میں بھی کسی مؤمن نے انکار حدیث نہیں کیا۔اس پر مزید یہ کہ اگر کہوں کہ تمام فرق اسلامیہ نے ابتداء میں حجیت حدیث وسنت کا قول کیا ہے تو بے جا نہیں ہوگا کیونکہ علامہ ابن حزمؒ کہتے ہیں: کہ "پہلی

صدی تک اہل السنۃ والجماعۃ، خوارج، شیعہ اور قدریہ غرض یہ کہ اسلام کا نام لینے والے تمام فرق اسلامیہ (یعنی وہ فِرَق جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہوں خواہ وہ حقیقت میں مسلمان ہوں یا نہ) ثقہ راویوں کے ذریعے سے پہنچنے والی روایات اور احادیث کو بالاتفاق حجت سمجھتے رہے۔'' ان لوگوں کے بعد معتزلہ کا دور آیا اس فرقہ نے حجیت اخبار آحاد سے انکار کیا تھا جس کی وجہ ان کی کچھ علمی قسم کی غلط فہمیاں تھیں جو عقل پرستی کی وجہ سے ان میں پیدا ہوگئی تھیں لیکن انہوں نے بھی حدیث کی حجیت کا سرے سے انکار نہیں کیا تھا۔ علماء امت نے ان پر سختی سے انکار فرمایا اور ان کی تردید میں مستقل کتابیں تصنیف کیں۔

الغرض امت محمدیہؐ نے حجیت حدیث پر صحابہ کرامؓ کے اجماع کو برقرار رکھا لیکن یاد رکھیں اگر بعد کی امت اس اجماع کی مخالفت بھی کرتی تو پھر بھی اجماع کی حجیت کیلئے مضر نہ تھا کیونکہ ایک دفعہ اجماع ہونے کے بعد اس سے انحراف کرنے پر اس کی حجیت میں کوئی فرق نہیں آتا لیکن اس کے باوجود بعد میں آنے والی امت نے اس اجماع کو قبول کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوسرا اصل یہ بیان فرمایا کہ جو شخص مؤمنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور کے طریقے پر چلے گا اس کو ہم دوزخ میں ڈالیں گے اور مؤمنین کا سبیل حدیث وسنت کی حجیت کا ہے لہٰذا منکرین حدیث خود اپنے لئے ٹھکانے کی جگہ تجویز کریں۔ ہم تو الحمدللہ مؤمنین کے راستے کے مطابق احادیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو علی الاطلاق نمونہ اور قابل عمل بتاتے ہوئے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جیسا کہ آیت ﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ الاٰية☆﴾(۱) میں آپ حضرات کو بتایا گیا کہ اس آیت میں علی الاطلاق نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے

---

(۱) سورۃالاحزاب☆۲۱

کا ذکر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ پوری زندگی کا نقشہ سیرتِ نبوی ﷺ کے مطابق بنائیں لیکن اس بات کا احساس اور ادراک وہ شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی فکر ہو اور وہ یادِ خدا سے غافل نہ ہو۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بلا کسی قید کے آپ ﷺ کی عطا کردہ تمام چیزوں اور احکام کو لینے اور منہی عنہ سے رک جانے کا حکم فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ مخالفت سے نہ بچنے کا حکم اور نہ ڈرنے کی صورت میں عقاب شدید کی دھمکی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ☆﴾ (۱) یعنی اور تم کو رسول (ﷺ) جو کچھ (اعمال واحکام وغیرہ میں سے) عطا کریں اس کو لے لیا کرو اور جس چیز سے تمہیں روک دیں، رک جایا کرو۔

یہاں پر امام رازیؒ فرماتے ہیں: کہ تمہیں مال غنیمت میں سے جو کچھ عطا کریں تو اس کو لے لو پس وہ تمہارے لئے حلال ہے اور جو مال غنیمت تم سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور امر غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں اس چیز کے لینے پر جس چیز سے رسول ﷺ نے تم کو منع فرمایا لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ آیت ہر اس چیز میں جو رسول کریم ﷺ عطا فرمائے یا منع فرمائے، عام ہو۔

یعنی امام رازیؒ کے قول کا مقصد یہ ہے کہ یہاں سبب اگرچہ خاص (مال غنیمت) ہے، لیکن عموم لفظ (یعنی نبی کریم ﷺ کے ہر قول، فعل امر اور نہی کو شامل ہونے) کا اعتبار کرنا چاہیئے جیسا کہ عام طور پر قاعدہ بھی یہی ہے کہ اگرچہ سبب خاص ہوتا ہے لیکن اعتبار خصوص سبب کا نہیں ہوتا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں لفظ "ما" عامہ ہونے کی وجہ سے وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح صیغۂ امر وجوبِ اطاعت پر دال

(۱) سورۃ الحشر☆۷

ہے۔پس آیت مذکورہ ہراس چیز پرنص صریح ہے جو چیز رسول اللہ ﷺ ہمیں عنایت فرمائیں یا ہم تک نبی کریم ﷺ سے پہنچ جائے چاہے وہ امر ہو یا کوئی اور چیز چاہے وہ قرآن پاک میں مذکور ہو یا سنت نبوی ﷺ میں، ہم پر امتثال امر بجالانا واجب اورضروری ہے۔اسی طرح جن چیزوں سے ہمیں منع فرمایا اوراس کی بابت قرآن کریم یا سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی حکم ہم تک پہنچ جائے توان چیزوں سے اجتناب کرنا ہم پر لازم اور واجب ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کیلئے عذاب شدید کی وعید ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا کسی قید کے نبی کریم ﷺ کے ہرقول وفعل کے لینے کا حکم اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان کی نہ کرنے اوران سے رک جانے کا امر فرمارہے ہیں بس وجہ صرف اورصرف یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ معصوم ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہرقول و فعل کو ہرقسم کے داغوں سے محفوظ فرمایا ہے۔آپ ﷺ کی زندگی کو داغدار ہونے سے بچایا اوراس کے بعد اعلان فرمایا کہ آپ ﷺ کی ہر بات مان لو ورنہ سخت عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ۔

اشکال:

بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں: کہ اس آیت میں ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ ......﴾ فرمایا گیا ہے ﴿وما اٰتٰکم محمد ......﴾ نہیں فرمایا گیا۔جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت بحیثیت رسول ہونے کے لازم اور واجب ہے نہ کہ آپ ﷺ کی ذات کے لحاظ سے اور یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ جو چیز بھی نبی کریم ﷺ من جانب اللہ ہمارے پاس لائے ہیں، اس کو ہم لیتے ہیں اوروہ کتاب اللہ ہی ہے۔لیکن جو چیز اپنی ذات کی طرف سے دیتے ہیں اس کے ہم مأمورین نہیں ہیں چنانچہ احادیث آپ ﷺ کی ذات کی چیز ہے اس لئے اس کے لینے کے ہم پابند نہیں ہیں۔

جواب:

جو چیز بھی نبی کریم ﷺ امر دین (یا کوئی امر دنیا حتمی طور پر) ہمیں عنایت فرمائیں تو وہ اگرچہ اپنی طرف سے ہی کیوں نہ ہو اس چیز کا لینا ہم پر اس لئے واجب ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے نہیں بولتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی بولتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں سورۃ النجم کے حوالہ سے ارشاد الٰہی مذکور ہوا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مدعی محبت الٰہی کو نبی کریم ﷺ کے اتباع کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ......﴾ کی تشریح میں گزر چکا اور نبی کریم ﷺ کا اتباع آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال، احوال اور طریقوں کو شامل ہے اور انہی اشیاء کو احادیث اور سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان آیات بینات سے واضح ہوا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی احادیث کا اتباع نہیں کرتا اور ان پر عمل کرنے کو واجب نہیں قرار دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کاذب ہے اور جو شخص اس دعویٰ میں کاذب ہوتا ہے وہ اپنے ایمان کے دعوے میں بھی کاذب ہے۔ ورنہ پھر اور کونسی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اتباع کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بعض مقامات ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے لیکن وہاں اپنی اطاعت کا ذکر تک نہیں فرمایا تو یہ بے جا نہیں ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے نبی کریم ﷺ کی اطاعت نہ صرف شرطِ اولین ہے بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو پرکھا جائے گا کیونکہ قرآن پاک کے الفاظ کی بظاہر ایک سے زیادہ معنی ہو سکتے ہیں

اب اس سے نبی کریم ﷺ نے کونسا معنی اور مراد لیا ہے ہم صرف اسی معنی کے مکلّف ہیں اس کے علاوہ دوسرے معنی کے مکلّف نہیں ہیں مثلاً لفظ صلوٰۃ اپنے اندر کئی معنی سمیٹے ہوئے ہے لیکن ہم صلوٰۃ کا وہی معنی معتبر سمجھیں گے جو معنی نبی کریم ﷺ نے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت اپنی ہی اطاعت قرار دی ہے۔

اب فقیر کے مذکورہ دعویٰ پر چند دلائل غور سے پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ فرمایا ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا یعنی آپ ﷺ کی اطاعت کو مستقل طور پر فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے علاوہ "اولــوالامــر" کی اطاعت کا مستقل طور پر حکم نہیں دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱) یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل امر ہیں ان کا بھی۔

یہاں پر اس آیت میں تین اطاعتوں کا امر کیا گیا ہے۔ (۱) اللہ کی اطاعت (۲) رسول ﷺ کی اطاعت اور (۳) اولوالامر کی اطاعت۔ لیکن تینوں کی اطاعت کا امر ایسے طریق سے بیان فرمایا ہے کہ تینوں کی تعبیر میں واضح فرق موجود ہے۔ وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اور اپنے رسول ﷺ کیلئے مستقل اطاعت کا لفظ ذکر فرمایا ہے جبکہ اولوالامر کیلئے مستقل طور پر اطاعت کا لفظ ذکر نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر امر مستقل طور پر واجب الاطاعت ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ہر امر بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت ہے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت گردانتے

---

(۱) سورۃ النساء ☆۵۹

ہوئے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کوعلی الاطلاق اپنا مشعل راہ بنایا ہے اور کسی وقت کی تعیین کئے بغیر اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔تھوڑا سا غور وفکر کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ چونکہ آپ ﷺ کا مبعوث ہونا تا قیامت تمام اقوام عالم کے لئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَالنَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ☆﴾ (۱) اور﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (۲) میں اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے اور قرآن کا تا قیامت باقی رہنا بالاتفاق ثابت ہے' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ☆﴾ (۳) یعنی ہم نے قرآن خود نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے اور قرآن لفظ ومعنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے تو جب الفاظ قرآنی کی حفاظت مسلم ہے۔تو یقیناً معانی قرآن بھی محفوظ ہوں گے۔اس لئے آپ ﷺ نے قولاً وعملاً قرآن کی جو تشریح بھی فرمائی ہے وہ تا قیامت باقی رہے گی اور نبی کریم ﷺ کی ان ہی تشریحات وتوضیحات اور معانی قرآن کا دوسرا نام حدیث اور سنت ہے۔لہٰذا احادیث تا حال بلاشک محفوظ ہیں اور تا قیامت محفوظ رہیں گی انشاء اللہ اور چونکہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ماننا نبی کریم ﷺ کی حاکمیت ماننے میں منحصر اور مقصور ہے۔پس﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اعتراض ۵:احادیث میں غلط باتیں ٹھونسی گئی ہیں:

منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ احادیث کی تالیف قرآن کے خلاف چونکہ ایک عجمی سازش ہے اس لئے ان احادیث میں غلط باتوں کو ٹھونسا گیا ہے' لہٰذا یہ احادیث نا قابل اعتبار ہیں۔

---

(۱)سورۃ سبا☆۲۸ (۲)سورۃ الاعراف☆۱۵۸ (۳)سورۃ الحجر☆۹

جواب:

بہت زیادہ حیرانگی کی بات ہے کہ ان کا تاریخ جیسے بے سروپا علم پر ناز ہے۔اس میں بلاسند واقعات ان کے نزدیک صحیح ہیں لیکن ایسا علم جس کی بابت خود مستشرقینِ یہود ونصاریٰ کی ایک بڑی جماعت اس کی تصدیق کرتی ہے کہ اہل اسلام نے اپنے پیغمبر کے حالات وواقعات کو جس تفصیل اور صداقت ودیانت کے ساتھ جمع کئے وہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اور اس کی مثال کسی مذہب میں موجود نہیں' ایک ایک حدیث کی سند کو حضور اکرم ﷺ تک پہنچایا گیا ہے۔ احادیث کے علم کا کہنا جن لوگوں نے احادیث کو جمع کیا اللہ تعالیٰ نے محدثینؒ کے ذریعے ان کی تاریخ کو بھی زندہ جاوید کر دیا اور یہ کارنامہ بھی صرف امت محمدیہؐ کا ہے جیسا کہ ایک انگریز کا کہنا ہے: کہ اسماء الرجال کا عظیم علم جس کو محدثین نے ایجاد کیا اس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہ اسلام سے پہلے موجود تھی اور نہ اسلام کے بعد آج تک موجود ہے۔(۱)

اس لئے ہم دعویٰ سے کہتے ہیں: کہ روئے زمین پر سب سے صحیح ترین کتاب قرآن پاک ہے اور قرآن کریم کے بعد سطح زمین پر احادیث کے مجموعہ کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا مجموعہ جس کی تاریخی لحاظ سے کوئی حیثیت ہو' موجود نہیں ہے جس کو کوئی شخص احادیث کے مقابلہ میں پیش کر سکے چنانچہ محدثین کرامؒ نے اسماء الرجال کے فن کا وہ کارنامہ ایجاد کیا جس میں جرح وتعدیل کے قواعد کے ذریعے صحیح راویوں اور ان کی روایات کو علیحدہ کیا ان کے ایک ایک راوی کے مفصل حالات تحریر فرمائے وضاعین کی نشان دہی فرمائی اور ان کی موضوع احادیث کو احادیث صحیحہ سے جدا کر کے ان کی مستقل کتابیں تصنیف کیں۔لہٰذا اس صورت میں احادیث کو عجمی سازش کہنے اور ان کو غلط باتوں کا مجموعہ قرار دینے والا عقل ونقل کا دشمن ہے کیونکہ ایسی سچی چیز جس کی مثال لانے سے دنیا عاجز ہو' کو درخور اعتناء ڈالنا یقیناً خلاف عقل ونقل ہے۔

---

(۱)کشف الباری ۱/۴۲ بحوالہ الرسالۃ المحمدیہ :۴۷

باایں عقل ودانش بباید گریست

اعتراض ٦: بعض احادیث خلاف عقل ہیں:

احادیث کو نہ ماننا خلاف عقل کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ احادیث کا کافی ذخیرہ خلافِ عقل ہے اور خلاف عقل حکم قابل قبول نہیں ہوتا' اس لئے ہم اس کی پیروی سے انکار کرتے ہیں۔

جواب:

آج تک جتنے علماء' فقہاء' معقولین اور محققین حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ گزرے ہیں ان سب کے نزدیک کوئی آیتِ قرآنی اور کوئی حدیثِ رسول ﷺ خلاف عقل نہیں بلکہ یہ دونوں عقل ودانش کا مجموعہ اور حکمت ودانائی کے سرچشمہ ہیں۔ دور حاضر کے کم فہم اگر اپنی عقل و دانش پر احادیث کو پرکھنا چاہتے ہیں تو یہ ان کی عقل کی کمی کے ساتھ ساتھ قسمت کے خراب ہونے کی علامت بھی ہے جو انہیں نور ہدایت سے بہرہ ور نہیں ہونے دیتی۔

دراصل بات یہ ہے کہ احادیث بھی وحی الٰہی ہے لیکن عقل کی جہاں انتہاء ہے وہاں سے وحی کی ابتداء ہے۔ وقت کی قلت اور رسالہ کو حجم کے بڑھنے سے بچانے کے باعث اسی پر تھوڑی سی گفتگو کرتے ہیں۔

ایک کام خلاف عادت ہوتا ہے اور دوسرا خلافِ عقل۔ ان دونوں کاموں میں بڑا فرق اور تفاوت ہے۔ خلاف عقل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تسلیم کر لینے سے محال لازم آتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا کوئی کام اور کوئی بات محال کو مستلزم نہیں ہے۔ البتہ آپ ﷺ سے خلاف عادت کاموں کا صدور ہوا ہے لیکن یہ صرف آپ ﷺ کا خاصہ نہیں آپ ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس خلاف عادت کام میں نبی کریم ﷺ کے شریک ہیں اور وہ واقعات جیسا کہ احادیث میں مروی ہیں اسی طرح قرآن پاک میں بھی اس قسم کے واقعات

موجود ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا گل گلزار ہونا' موسیٰ علیہ السلام کیلئے دریا کا راستہ دینا' صالح علیہ السلام کو اونٹنی کے معجزہ کا عطا ہونا' حضرت داود علیہ السلام کیلئے جبال وطیور کا مسخر ہونا اور سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا اور جنات کا تابع ہونا وغیرہ کیا یہ چیزیں خلاف عادت نہیں؟ اگر تمہارے اصطلاح کے مطابق ان خلاف عادت کاموں کو ہم خلاف عقل کہہ دیں تو اس سے تو قرآن پاک بھی خالی نہیں ہے کیونکہ کسی نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر اس قسم کے خلاف عادت کاموں کے دکھانے کا اصل مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ یہ کام اس نبی علیہ السلام کی نبوت کی صداقت کیلئے بطور دلیل کے پیش کیا جا سکے۔

الغرض نبی کریم ﷺ کا کوئی کام خلاف عقل نہیں ہے لیکن اگر بالفرض کوئی دجل وفریب سے کام لے کر کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خلاف عقل باتیں تو ہم صحیح مانتے ہیں لیکن احادیث میں کسی خلاف عقل بات کو ہم صحیح نہیں کہہ سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چلو نبی کریم ﷺ کی ایک بات کو خلاف عقل تو ثابت کر کے دکھائیں؟ نیز احادیث کے پرکھنے کیلئے کونسی عقل معتبر ہے؟ اس کی ذرا تعریف تو کریں کیونکہ عقول کے درمیان کافی تفاوت اور فرق ہونا مسلم امر ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ آپ کونسی عقل کے خلاف بتاتے ہیں عوام کے عقول یا خواص کے عقول' لیکن کیا سب خواص حضرات کے عقول بعض احادیث کو خلاف عقل بتاتے ہیں یا بعض خواص کے عقول ان احادیث کو موافق عقل بھی بتاتے ہیں۔ اس لئے اس فیصلہ کو اگر عقل کے حوالہ کر دیں گے۔ تو رفعِ اختلاف ممکن نہیں کیونکہ کوئی بھی اپنے فیصلہ کو غلط ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ مثلاً ماضی میں اُسی زمانہ کے منکرین حدیث یعنی معتزلہ کہا کرتے تھے: کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن نہیں ہوگا کیونکہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض کیلئے نہ بقاء ہے اور نہ ان کیلئے وزن ہوگا۔ لیکن آج ان کا یہ مذہب لغو اور باطل ثابت ہوا۔ آواز جو عرض ہے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ

اسے محفوظ کیا جاتا ہے۔ انسان کی نقل وحرکت بھی اعراض میں سے ہے لیکن آج ویڈیو کیمرہ کی آنکھ نے ان حرکات انسانیہ کو محفوظ کر دیا ہے اور لوگ انہیں دیکھا کرتے ہیں۔ اسی طرح لوگ چاند کی طرف سفر کو ناممکن بتاتے تھے جبکہ اب اسی انسان نے چاند کو بھی مسخر کر کے اس پر اپنا قدم رکھا۔ تو ایسی نابالغ عقل پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے بامر مجبوری یہ بات کہ احادیث خلاف عقل ہیں' کا فیصلہ وحی کے ساتھ ہی ہوگا اور جب یہ فیصلہ وحی کے سپرد کر دیا جائے تو ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ شرعی لحاظ سے وحی کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اور وحی دو قسم کے ہونے کی وجہ سے وحی غیر متلو کا اثبات بھی ہوا۔

اعتراض ۷: نبی کریم ﷺ کی حاکمیت صرف عقائد وعبادات تک محدود ہے:

منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ بلاشبہ تمام ادوار اور ازمنہ کیلئے حجت ہیں اور آپ ﷺ کی حاکمیت قرآن پاک سے ثابت ہے لیکن اس حاکمیت کا دائرۂ عمل عقائد کی درستگی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ سکھلانے تک ہی محدود ہے اور روزمرہ زندگی میں آنے والے دنیوی معاملات مثلاً معاشی و معاشرتی اور سیاسی معاملات کے اعتبار سے آپ ﷺ حجت اور حاکم نہیں ہیں' بلکہ ہر زمانے کے لوگ اپنے حالات کے مطابق خود طے کرنے کے مجاز ہیں۔ اگر بالفرض ان معاملات میں نبی کریم ﷺ کی کچھ ہدایات بھی ہوں تو وہ صرف شخصی آراء کے طور پر شمار ہوں گی یہ آراء پیغمبر ہونے کی حیثیت سے نہیں دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:"انتم اعلم بامور دنیاکم" یعنی تم اپنے دنیاوی معاملات بہتر جانتے ہو۔ لہٰذا امت پر یہ واجب نہیں ہے کہ ان ہدایات کی پیروی کریں بلکہ ان کی صواب دید پر ہے' چاہے قبول کریں' چاہے رد کریں۔

جواب:

دراصل منکرین حدیث کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اسلام دیگر مذاہب مختلفہ کی طرح محض کچھ رسوم وعقائد کے مجموعے کا نام ہے اور انسان کے باقی معاشرتی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں اسلام کا کوئی سروکار نہیں بلکہ اگر کوئی شخص چند مخصوص رسوم وعقائد کو مان کر اس پر عامل ہو تو باقی معاشرتی زندگی میں وہ آزاد ہے کہ جس طرح اپنی زندگی گزارنی چاہے گزار دے۔اس سوچ اور نظریہ کی بناء پر ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی حاکمیت صرف عقائد اور بعض رسومات پر ہی تسلیم کی ہے لیکن یہ سراسر باطل ہے کیونکہ اسلام دوسرے مذاہب سے بالاتر ہو کر ایک مکمل طرز زندگی متعین کرتا ہے جو دینی معاملات کے ساتھ ساتھ معاشی، معاشرتی اور سیاسی جیسے تمام پہلوؤں پر مکمل طریقے سے حاوی ہے۔قرآن پاک خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ زندگی کی طرف بلاتے ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ...... ☆﴾ (۱) یعنی اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول (ﷺ) کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول (ﷺ) تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو امور ذکر فرمائے ہیں۔

امر اول: اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بات ماننے کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔اس لئے اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ہر امر کو مانو اور ان کی ہر نہی سے رک جاؤ اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تمام حاضرین وغائبین کو کتاب وسنت کے مضبوط پکڑنے کا امر فرمایا ہے اور کتاب

---

(۱) سورۃ الانفال ☆ ۲۴

وسنت میں صرف دینی امور کا ذکر نہیں بلکہ ان میں دنیاوی معاملات کی بابت بھی بہت کچھ مذکور ہیں۔ پس جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم امر دینی و دنیاوی معاملات میں معتبر اور لازم ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ کا حکم بھی دینی اور دنیوی امور میں معتبر ہوگی۔

امر ثانی: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے بلانے کو زندگی سے تعبیر فرمایا ہے۔ اب آپ حضرات خود سوچیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ لوگوں کو زندگی کی طرف بلاتے ہیں تو پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ زندگی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کا ان معاملات میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اگر کسی نے قرآن پاک کا صرف ترجمہ پڑھا ہو تو اس کیلئے اس بات کے جاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن پاک میں خرید و فروخت' قرض کے لین دین' رہن اور گروی رکھنے کے احکام' وراثت' ازدواجی زندگی' سیاسی معاملات' جنگ و امن کے مسائل وغیرہ بہت سے موضوعات پر اپنے خاص احکامات جاری فرمائے ہیں اور چونکہ سنت نبویہ اُن قرآنی احکام کی ترجمانی کرتی ہے اس لئے انسانی معاشرتی' معاشی اور سیاسی زندگی پر اس میں اتنی تفصیلی مواد موجود ہے جس سے بہت سی ضخیم کتابیں منظر عام پر آئی ہیں جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اسلام صرف چند عقائد اور رسومات تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ انسان کو نہ صرف انفرادی زندگی کی تعلیم دیتا ہے' بلکہ اجتماعی' ملکی اور بین الاقوامی احکامات پر مشتمل ایک وسیع و عریض انسانی زندگی عطا فرماتا ہے۔ تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو ارشادات فرمائے ہیں وہ بغیر حاکمیت کے صرف ایک رائے کی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے بعض موقعہ پر ایک غیر جامد اور لچکدار رویہ اختیار فرماتے ہوئے اکثر تفصیلات کھلی چھوڑی ہیں تا کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات میں اسی زمانہ کے حالات کے مطابق ان میں تبدیلی کی جا سکے لیکن یہ بھی

صرف اورصرف اسلامی اصولوں کے مطابق اجازت دی گئی ہے۔یعنی بعض معاملات میں مصلحتی ضروریات کیلئے میدان کوکھلا رکھا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں ہے کہ قرآن وسنت کا انسانی زندگی کی ایک ایسی اہم شاخ سے کوئی تعلق نہیں جو بنی نوع انسان کیلئے ہمیشہ کیلئے بے سکونی کا بنیادی سبب رہی ہے۔ یقیناً قرآن وسنت کے تمام حتمی اورقطعی بیانات واجب التعمیل ہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ نے پیغمبرانہ حیثیت سے من جانب اللہ ارشادفرمائے ہوتے ہیں اور جہاں کسی حتمی اورقطعی فرمان کے طور پرحکماً ارشادنہ فرمایا ہو بلکہ ایک بشری گمان کے طور پرفرمایا ہوتو وہ قول بھی اگرچہ لائق صد تعظیم ہے لیکن اس فرمان کو جزوشریعت قرارنہیں دیا جاسکتا۔"انتم اعلم بامور دنیاکم"کا فرمان بھی اسی غیر حتمی ارشادکے متعلق ہے۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشادمبارکہ کے مکمل پس منظراورسیاق وسباق پرنظرکرنے سے معلوم ہوتا ہے اس کی مکمل تفصیلی روایت صحیح مسلم میں ملاحظہ فرمائیں فقیراختصار سے اس کا خلاصہ ذکرکرتا ہے:''ہوایوں کہ مدینہ منورہ کے باشندے اپنے کھجور کے درختوں سے زیادہ پھل حاصل کرنے کی غرض سے کھجور کے نر درخت کے پھولوں کو مادہ کھجور کے پھولدارشاخوں پرڈالتے تھے جس کو"تأبیر"کاعمل کہا جاتا تھا آپ ﷺ کا گزرایسے"تأبیر"کرنے والے لوگوں پر ہوا جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"ماظن یغنی ذالك شیئا"یعنی میراتو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہوگا۔ان لوگوں نے"تأبیر"کاعمل ترک کیا۔نبی کریم ﷺ کواس کاعلم ہوا جس پرآپ ﷺ نے فرمایا:"ان کان ینفعهم ذالك فلیصنعوه فانی انما ظننت ظنا فلاتؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللّٰه شیئافخذوه به فانی لم اکذب علی اللّٰه"یعنی اگریہ عمل"تأبیر"انہیں کچھ فائدہ دیتا ہےتو ان کو چاہئے کہ وہ کرتے رہیں میں نے تواپنے گمان کا اظہارکیا تھا میرے گمان پرعمل نہ کیا کرولیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات بتاؤں تواسپرضرورعمل کیا کروکیونکہ

میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔بعض روایات میں "انتم اعلم بامور دنیاکم" (یعنی تم اپنے دنیاوی معاملات بہتر جانتے ہو) کے الفاظ بھی مروی ہے۔منکرین حدیث نے اس کے سیاق وسباق اور متن حدیث کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس سے تمام دنیاوی امور میں ارشادات نبوی ﷺ کو ٹکرائے ہیں حالانکہ اس حدیث میں صاف اور واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو "تأبیر" کی بابت کوئی حتمی ارشاد نہیں فرمایا تھا بلکہ ایک سرسری انداز میں وہ ایک فقرہ تھا جو ایک عمومی اندازے پر مبنی تھا چنانچہ آپ ﷺ نے برملا نہایت واضح الفاظ میں فرمایا: ''میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہوگا۔'' اور یہ الفاظ پیغام کے طور پر نہیں فرمائے بلکہ ان لوگوں کو ان حاضرین کے ذریعے سے معلوم ہوا۔اس لئے کوئی شخص بھی اس قسم کے تبصرے کو قانونی تبصرہ قرار نہیں دے سکتا اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم ہونے پر ان کی غلط فہمی دور کرنے پڑی کہ یہ کوئی حتمی اور قطعی بات نہیں تھی' بلکہ ''مباحات'' ہیں کہ تم لوگ دنیاوی مباح کاموں میں بہتر جانتے ہو۔لہٰذا جس جگہ قرآن وسنت نے اصول متعین فرمائے ہوں اور کسی دنیاوی کام کے متعلق کوئی واضح حکم دیا ہو وہاں نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرنا ہی ضروری ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے واضح ہوتا ہے: کہ ''جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات بتاؤں تو اسپر ضرور عمل کرو۔'' اس میں دنیاوی اور دینی تمام کام مراد ہیں۔

الغرض نبی کریم ﷺ کی حاکمیت جیسا کہ دینی کاموں میں مسلم ہے اسی طرح دنیاوی امور میں بھی اس کے واجب العمل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔بالفاظ دیگر رسول کریم ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اس لئے حدیث وسنت ہر حال میں مطلق حجت ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں غور کی جائے تو یقیناً معلوم ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کا بلانا امت کے بلانے کی طرح نہیں بلکہ آپ ﷺ کی دعوت اور بلانے پر لبیک نہ کہنا خطرِ عظیم

ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًاقَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ☆﴾ (۱)

یعنی (اے مؤمنو!) پیغمبرؐ کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔

اب بات یہ ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں کتاب اللہ اور اپنی سنت پر عمل پیرا ہونے کی طرف بلایا ہے اس لئے تمام امت پر واجب اور لازم ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی اس دعوت اور بلانے کو جو قرآن اور احادیث کی شکل میں ہے' قبول کرے۔

الحاصل قرآن وحدیث میں صرف عبادات کے طریقے اور عقائد مذکور نہیں ہیں بلکہ روزمرہ زندگی میں آنے والے معاملات بھی ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ کی حاکمیت جیسا کہ دینی امور میں ہے اسی طرح دنیوی معاملات میں حتمی امور کو بھی ماننا پڑے گا ورنہ ایمان ندارد کے مصداق ہوگا۔

اعتراض ۸: لاکھوں احادیث کا ہونا اور ان کو یاد کرنا ناقابل فہم ہے:

منکرین حدیث کا کہنا ہے: کہ امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے متعلق کتابوں میں لکھا: کہ انہوں نے بالترتیب ساڑھے سات لاکھ' چھ لاکھ اور تین لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے ان سے اپنی اپنی کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابوزرعہؒ کی بابت مشہور ہے کہ

(۱) سورۃ النور☆۶۳

انہوں نے سات لاکھ احادیث یاد کی تھیں۔امام بخاریؒ کا یہ بھی کہنا ہے: کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں جبکہ تدریب الراوی جلد ا صفحہ نمبر ۱۰۰ پر مرقوم ہے کہ صحیح احادیث کی تعداد پچاس ہزار ہے۔اب کہنا یہ ہے کہ جب صحیح احادیث زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار ہیں تو پھر یہ ساڑھے سات لاکھ احادیث کس طرح بنیں؟ ہاں ہم یہی کہہ سکتے ہیں: کہ اسلام کے خلاف ایک عجمی سازش کے تحت یہ احادیث آئیں ہیں۔نیز لاکھوں کے حساب سے احادیث کا یاد کرنا بھی نا قابل فہم بات ہے۔

جواب:

دراصل یہ اعتراض محدثینؒ کی اصطلاح سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔محدثینؒ کے نزدیک ایک حدیث دو ٹکڑوں میں منقسم ہوتا ہے۔(۱) سند حدیث (۲) متن حدیث۔

بسا اوقات حدیث کا متن ایک ہوتا ہے لیکن اس کی سندیں متعدد ہوتی ہیں۔عام آدمی اس کو ایک حدیث شمار کرتا ہے لیکن محدثینؒ کو یہی حدیث جتنی سندوں کے ساتھ پہنچی ہو، اس ایک ہی روایت کو اتنی ہی حدیثیں شمار کرتے ہیں۔چنانچہ علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں: کہ اس عدد سے مراد حدیثوں کے متون نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد طرق اور اسانید ہیں۔

اب آپ حضرات خود غور کریں کہ متون کے اعتبار سے اگر احادیث کی تعداد پچاس ہزار ہے تو جب یہی احادیث مختلف صحابہؓ اور تابعینؒ نے اپنے تلامذہ کو بیان کی ہوں اور پھر ان کے تلامذہ در تلامذہ نے روایت کی ہوں اور پھر ان حضرات میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ سند کا اعتبار کیا جائے تو کیا ان مختلف سندوں کے اعتبار سے ان احادیث کی تعداد لاکھوں تک نہیں پہنچ سکتی؟ یقیناً لاکھوں تک یہی تعداد بڑھ سکتی ہے حتی کہ مذکورہ تعداد سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے۔

باقی اتنی احادیث کے یاد کرنے کا نا قابل فہم ہونا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمارے

دور کے لوگوں جیسے حافظے اس وقت کے لوگوں کے نہیں تھے بلکہ ان کے حافظے ان دنوں ''ضرب المثل'' تھے چنانچہ امام ابوزرعہؒ کے قول کو علامہ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۳ پر نقل کرتے ہیں: کہ ''میرے گھر میں پچاس سال سے کچھ احادیث میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی پڑی ہیں جس کا اس وقت سے پھر دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی کتاب' کونسے ورق' کونسے صفحہ اور کونسی لکیر میں ہیں۔'' اور امام زہریؒ کی بابت تذکرۃ الحفاظ جلد ایک صفحہ ۱۱۰ میں مرقوم ہے: کہ امام زہریؒ سے ہشام بن عبدالملک نے اپنے ایک صاحبزادے کیلئے احادیث لکھوانے کی درخواست کی' جس پر انہوں نے اس کیلئے سو احادیث لکھوائیں کچھ عرصہ بعد پھر انہی احادیث کے لکھوانے کا کہا تو امام زہریؒ نے دوبارہ املاء کرادیا۔ اس کے بعد انہوں نے پہلی کتاب سے ان احادیث کا مقابلہ کیا تو ایک حرف کا فرق بھی نہ پایا گیا۔ یہ تو محدثینؒ کے حافظہ کا حال تھا لیکن اگر صحابہ کرامؓ کے حافظہ کی طرف دیکھا جائے تو ان حضرات کے حافظے محدثین کرامؒ کے حافظوں سے بھی زیادہ ''ضرب المثل'' تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ محبوب کی باتیں اور ادائیں تو ہر کس و ناکس کو ایک دفعہ سننے اور دیکھنے سے یاد ہو جاتی ہیں چہ جائیکہ صحابہؓ اور محدثین کرامؒ کا عشق۔ ان حضرات کا اپنے محبوب ﷺ کی احادیث کے ساتھ جو عشق تھا وہ شنیدہ نہیں' دیدنی تھا اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک' ایک حدیث کی خاطر پورے مہینے کی سفر کو طے کیا۔ ان اسفار میں انہوں نے جو مشقتیں جھیلیں یہ ان حضرات ہی کا کام تھا۔

علاوہ ازیں ان دنوں علم حدیث میں مہارت حاصل کرنا لوگوں کی نظروں میں بڑی عزت کا سبب ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ان حضرات کا علم حدیث کے ساتھ بے حد شغف تھا اس کے حصول میں وہ بے حد محنت اور بے انتہا کوشش سے کام لیتے تھے۔

زمانہ قریب میں بھی ایسے لوگوں گزرے ہیں جن کو ہزاروں حدیثیں یاد تھیں چنانچہ امام المحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ہزاروں احادیث کے حافظ تھے۔ شیخ العرب والعجم مولانا

حسین احمد مدنیؒ کو پوری بخاری شریف زبانی یاد تھی اور زمانہ قریب کی ایک عظیم شخصیت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ کو اتنی زیادہ حدیثیں یاد تھیں کہ آپؒ علماء کرام کے ہاں حافظ الحدیث کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے تھے اور آج کل کے پُرفتن، پُر آشوب اور گئے گزرے دور میں بھی ایسے علماء کرام موجود ہیں جنہیں فقیر ذاتی طور پر جانتا ہے کہ انہیں سینکڑوں حدیثیں زبانی یاد ہیں اور قرآن جس کی آیتوں کی تعداد ہزاروں ہے، کے حفاظ کی تعداد تو صرف ہمارے قصبہ تجوڑی میں بچوں، بچیوں، مردوں اور عورتوں کی ہر صنف میں سے حفاظ قرآن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ جن میں بعض ایسے گھرانے بھی موجود ہیں جن میں گھر کے تمام افراد حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہیں اور ساتھ ساتھ کئی کئی بہن بھائی عالم دین بھی ہیں۔ پورے ملک میں تو حفاظ کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحبؒ کے بیانات میں آج کل کی دنیا میں ایک کروڑ کے حفاظ مذکور ہیں۔ ذالك فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء۔

اسی طرح ایک دور حفاظ قرآن کے علاوہ حفاظ حدیث کا بھی تھا ان دنوں محدثین کرامؒ اسی ہی کو اپنا سارا سرمایہ سمجھتے تھے، جیسا کہ عروہ بن زبیرؒ نے اپنی خالہ محترمہ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ سے جو احادیث لکھ کر مسودہ کی شکل میں جمع کی تھیں، وہ جنگ حرہ میں ضائع ہوگئیں۔ آپؒ ان کے تلف ہونے پر ساری عمر افسوس کرتے رہے۔

الحاصل ایک طرف صحابہؓ ومحدثین کرامؒ کا نبی کریم ﷺ کی احادیث کے ساتھ حد درجہ انتہائی عشق ومحبت اور دوسری طرف ناقابل تسخیر حافظہ اور تیسری طرف ان دنوں ہر سرکاری وغیر سرکاری سطح پر احادیث یاد کرنے والے حضرات کی عزت وپذیرائی عروج پر تھی لہٰذا ان حالات میں اتنی زیادہ احادیث کے یاد کرنے کو ناقابل فہم کہنے والا خود اپنی فہم کے نقص پر روئے۔

اعتراض ۹: احادیث روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے نا قابل حجت ہیں:

منکرین حدیث کہتے ہیں: کہ احادیث روایت باللفظ کی بجائے روایت بالمعنی ہیں اس میں راویوں نے نہ جانے کیا کیا تصرفات کئے ہوں گے؟ اس لئے یہ حجت نہیں بن سکتیں۔

جواب:

منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ اکثر احادیث روایت بالمعنی کے قبیل سے ہیں، بھی چند وجوہ کی بناء پر غلط اور بے سود ہے۔

حدیث کی تعریف میں صرف اقوال نبوی ﷺ داخل نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے افعال اور تقاریر بھی حدیث میں شامل ہیں اور روایت بالمعنی کا تصور تو اقوال میں ہوسکتا ہے، لیکن افعال اور تقاریر میں اس کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔ نیز احادیث قولیہ میں سے اذان واقامت، ادعیہ ماثورہ، احادیث کلیہ اور احادیث قدسیہ وغیرہ روایات بعینہ آپ ﷺ کے کلمات والفاظ ہی میں مروی ہیں۔ علاوہ ازیں ان احادیث کے راوی ہم جیسے گئے گزرے لوگ نہیں تھے بلکہ مزاج شناس نبوت حضرات صحابہؓ تھے جو کہ عربی کے الفاظ ومعانی سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے الفاظ کی روایت کرنے میں بھی کافی احتیاط برتا ہے، چنانچہ علم حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ انہوں نے کئی بار یہ دیکھا ہوگا کہ کسی راوی کو الفاظ نبوی ﷺ کی بابت شک واقع ہوجاتا ہے تو وہ بلا سوچے سمجھے جو لفظ منہ سے نکل جائے نہیں کہتا بلکہ اس وقت انتہائی احتیاط کے ساتھ " او قال كذا وكذا" کے الفاظ بولتے ہیں ۔یہی حال محدثینؒ کا بھی تھا۔ بلکہ محدثینؒ سند میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ کسی محدثؒ کو ایک شیخؒ نے اپنے شیخؒ کا صرف نام ذکر کیا تھا اور محدث کو طلباء پر التباس کا خطرہ ہوتا تو وہ محدثؒ " هوابن فلان" یا "يعني ابن فلان" کے الفاظ کا اضافہ کرتے تھے تا کہ طالب علم کو التباس

نہ ہو نیز اس کو اشارہ بھی مل جائے کہ میرے استاد کو ان کے شیخ نے اپنے شیخ کا بغیر نسبت وکنیت کے صرف نام بتایا تھا حالانکہ سند میں اپنی طرف سے والد وغیرہ کا نام وضاحت کیلئے زیادہ کرنے پر کوئی وعید مذکور نہیں جبکہ حدیث میں اپنی طرف سے لفظ بڑھانے پر وعید نبوی ﷺ تواتر کو پہنچی ہے پس جب سند میں اتنے محتاط تھے تو احادیث نبویہ ؐ میں کتنی احتیاط برتنے کی کوشش فرمائی ہوگی۔

الحاصل یہ کہنا: کہ محدثینؒ نے ہر جگہ روایت بالمعنی کیا ہے' صحیح نہیں ہے' البتہ بعض مقامات پر انہوں نے روایت بالمعنی سے بھی حدیث روایت کی ہے لیکن جہاں انہوں نے روایت بالمعنی کیا ہو تو محدثینؒ نے رواۃ حدیث سے وہ روایت بلا سوچے سمجھے نہیں لی بلکہ ان کیلئے انہوں نے بہت سخت شرائط مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاحؒ اپنے مقدمہ صفحہ ۱۰۵ میں تحریر فرماتے ہیں: ''اگر وہ راوی حدیث کے الفاظ اور اس کے مقاصد کا عالم اور عارف نہ تھا جس چیز سے اس کے معانی میں تبدیلی آتی ہے یہ راوی اس پر خبر دار نہ تھا اور نہ ان کے درمیان تفاوت کے مقادیر پر بصیر تھا تو اس راوی کو بلا خلاف روایت بالمعنی کرنا جائز نہیں ہے۔''

الغرض ان کا یہ دعویٰ کئی وجوہ سے لغو ہونے کی وجہ سے بلا معنی اور بے سود ہے۔ لہٰذا احادیث کی حجیت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

اعتراض ۱۰: احادیث ظنی ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہیں:

احادیث اخبار آحاد ہیں اور اخبار آحاد مفید ظن ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًا﴾ (۱) یعنی بے شک خیالات حق کی جگہ کچھ کارآمد نہیں ہوتے۔ لہٰذا اخبار آحاد سے احتجاج واستدلال نہیں کیا جا سکتا۔

---

(۱) سورۃ یونس ☆ ۳۶

جواب: تمام احادیث اخبار آحاد نہیں نیز ظن کا مفہوم:

پہلے تو ان کی یہ بات مسلم نہیں ہے کہ تمام احادیث اخبار آحاد ہیں بلکہ اخبار واحادیث میں بعض متواتر ہیں۔خبر متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں: کہ جس کے راوی نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر زمانہ اور ہر دور میں اتنے زیادہ رہے ہوں کہ عقلِ سلیم ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو محال سمجھتی ہو تو ایسی روایت کو متواتر کہا جاتا ہے اور یہ چار قسم پر ہے جن کو مختصر طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ (۱) متواتر باللفظ اور یہ وہ حدیث ہے جس کے الفاظ کو راویوں کی اتنی بڑی تعداد نے جو حدیث کے متواتر ہونے کیلئے ضروری ہو اس طرح روایت کی ہو کہ ہر راوی اپنی اپنی روایت میں ایک قسم کے الفاظ نقل کرتا ہو اوران الفاظ میں کوئی بڑا فرق اور اختلاف نہ پایا جاتا ہو مثلاً "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" انہی الفاظ سے نقل کرنے والے اس حدیث کے کم از کم ۷۴ راوی ہیں اور انہی چوہتر راویوں پر بس نہیں بلکہ نسل در نسل ان کی تعداد بڑھتی گئی ہے۔اب عقلی طور پر یہ بات ناممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف کسی معمولی فرق کے بغیر ایسے فقرے کا انتساب کیا جاتا ہو اور اتنی بڑی تعداد ایک جھوٹی بات پر متفق ہوگئی ہو۔

(۲) متواتر بالمعنیٰ اس میں بھی وہی تعریف ہے، لیکن اس میں راویوں نے یکساں الفاظ میں ذکر نہیں کیا ہو، بلکہ اس میں بسا اوقات بیان کردہ واقعات بھی مختلف ہوتے ہیں لیکن اس قسم میں تمام راوی ایک بنیادی بات پر متفق ہوتے ہیں جو کہ ہر روایت میں پائی جاتی ہے جیسا کہ راویوں کی ایک بڑی تعداد نے نبی کریم ﷺ سے نماز فجر وغیرہ کی تعداد نقل کی ہے لیکن ان راویوں کے الفاظ ایک جیسے ہم تک نہیں پہنچے یہاں تک کہ واقعات بھی مختلف اور الگ الگ ہیں لیکن ان کا بنیادی نکتہ ایک ہے یعنی ان احادیث میں مجموعی لحاظ سے رکعات کی تعداد کا

مفہوم ایک ہی پایا جاتا ہے۔

بعض احادیث مشہور ہیں جو کہ اگر چہ اخبار آحاد میں سے شمار کیئے جاتے ہیں لیکن چونکہ اخبار آحاد کی تین قسمیں ہیں۔

خبر واحد: وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر یا صفت کا ذکر ہو اور ہر زمانہ میں اس کے راویوں کی تعداد متواتر حدیث کے راویوں سے کم ہو۔ آگے اس کی تین قسمیں ہیں۔

ا......**مشہور:** یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی متواتر کی حد کو نہ پہنچیں لیکن کسی زمانہ میں بھی تین راویوں سے کم نہ ہوں۔

۲......**عزیز:** یہ وہ حدیث ہے کہ جس کی سند کسی زمانہ میں بھی دو سے کم نہ ہوں۔

۳......**غریب:** یہ وہ حدیث ہے کہ جس کی سند میں کہیں نہ کہیں صرف ایک راوی رہ جائے۔

اخبار آحاد میں صرف ایک قسم ایسی ہے جس میں کسی ایک طبقہ میں صرف ایک ہی راوی ہوتا ہے اور اس کے باقی دونوں قسموں میں ہر طبقہ کے لوگوں میں کم از کم دو یا تین راوی ہونے ضروری ہیں۔

بعض علماء جیسے علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: کہ متواتر حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

تواتر اسنادی: جس کو ابتداء سے انتہاء تک ایسی جماعت روایت کرے جن کا اجتماع علی الکذب محال ہو جیسے " البينة على المدعى واليمين على من انكر"

تواتر قرنی یا طبقاتی: جو قرن بقرن چلی آرہی ہو جیسے پانچ نمازیں اور قرآن مجید۔

تواتر تعاملی: جس میں اکثر عمل کرتے آئے ہوں اور بعض کا اختلاف ہو جیسے رکعات تراویح

تواتر معنوی: الفاظ کے لحاظ سے تو خبر واحد ہو لیکن معنی کے لحاظ سے تواتر کو پہنچی ہوئی ہو تو اتر معنوی کا دوسرا نام ''تواتر قدر مشترک'' ہے جیسے معجزات نبویہ۔(۱)

حکم حدیث متواتر: فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں (۱) متواتر (۲) مشہور (۳) خبر واحد۔ متواتر کا منکر بالاجماع کافر ہے مشہور کا منکر عندالجمہور کافر ہے خبر واحد کا منکر فاسق ہے اور حدیث کا استہزاء کرنے والا بھی کافر ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے: کہ ''کسی کو حدیث سنائی گئی اس نے بطور استخفاف کے آگے سے کہا کہ بہت حدیثیں سنی ہیں تو وہ کافر ہو گیا۔''(۲)

ظن و علم کا مفہوم:

علاوہ ازیں عربی میں لفظ ظن کا استعمال تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس کا ایک معنی علم یقینی، نظری اور استدلالی ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کا یہ معنی استعمال ہوا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ الاٰية﴾(۳)، ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ الاٰية﴾(٤)﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ☆﴾(٥)، ﴿وَقِيْلَ مَنْ سكتة رَاقٍ الاٰية﴾(٦)، ﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ☆﴾ ان سب آیتوں میں ظن یقین کے معنی میں آیا ہے۔

اسی طرح اس کا دوسرا معنی ظن غالب اور جانب راجح بھی آتا ہے۔ احادیث کو پہلے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے ظنی کہا جاتا ہے اور اس قسم کے ظن کا قرآن پاک میں کہیں رد

---

(۱) الخير السارى :۱/ ٦۱ (۲) ايضاً:۱/ ٥۹ (۳) سورة البقرة ☆٤٦ (٤) سورة البقرة ☆۲٤۹ (٥) سورة ص ☆۲٤ (٦) سورة القيٰمة ☆۲۸ (۷) سورة المطففين ☆٤

موجود نہیں ہے بلکہ ایسے ظن کا بہت سے مقامات پراعتبار کیا گیا ہے۔جبکہ ظن کا تیسرا معنی اٹکل اور تخمین یعنی جس کی بنیاد کسی دلیل اور مستند قول پر نہ ہو، بھی آتا ہے' بلکہ کسی بات کا علم نہ ہو اور اپنی بے علمی کے چھپانے کیلئے اپنی جانب سے کوئی بات گھڑ لی جائے تو اس کو بھی ظن کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں اس قسم کے ظن کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں مثلاً ﴿ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ☆﴾(۱) یعنی جب کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت آنے میں کوئی شبہ نہیں تو تم نے یہ جواب دیا ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں تو ایک خیال سا آتا ہے (یعنی ہمیں یہ بات یوں ہی بے تحقیق سی معلوم ہوتی ہے) اور ہم کو یقین نہیں آتا۔اور ارشاد ہوتا ہے:﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ☆ ﴾ (۲) یعنی صرف اٹکل اور نفس کی خواہشات پر چلتے ہیں اور البتہ بہ تحقیق ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے۔چند آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:﴿ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ☆ ﴾(۳) یعنی اور ان کو اس کی کچھ خبر نہیں محض اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل ٹھیک بات میں کچھ کام نہیں آتا۔دوسری جگہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾(٤) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جاہلوں کے سے جھوٹے خیال رکھتے تھے۔

انہی چند آیتوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے ورنہ مزید ایسی اور آیات بھی موجود ہیں جن میں لفظ ظن خیالات' اٹکل اور تخمین کے معنی میں آیا ہے۔اعتراض میں ذکر شدہ آیت سے بھی

---

(۱)سورۃ الجاثیة☆۳۲(۲)سورۃ النجم☆۲۲(۳)ایضاً ☆ ۲۸ (٤)سورۃ آل عمران ☆ ١٥٤

یہی قسم کا ظن مراد ہے اوراس میں اس قسم کے ظن کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ چونکہ اس قسم کے ظن کی پشت پر کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی اس لئے مذکور قسم کا ظن مردود ہوتا ہے۔ برخلاف پہلی دو قسموں کے‘ کہ وہ قرآن پاک‘ احادیث اوراقوال صحابہؓ کی رو سے مقبول ہیں۔لہٰذا آیت مذکورہ ان دو قسموں کے متعلق نہیں ہے۔

خبر واحد کا حجت ہونا:

باقی رہا خبر واحد کا حجت ہونا تو یہ قانوناً‘ شرعاً اور عرفاً ہر اعتبار سے حجت مانا گیا ہے۔ دنیا کا نظام خبر واحد ہی سے چلتا ہے۔ اگر ریڈیو میں صرف ایک آدمی کہتا ہے: کہ آج صدر پاکستان نے اعلان کر دیا کہ کل تمام ملک میں چھٹی ہوگی تو پورا ملک اس کو مانتا ہے۔صرف ایک قاضی فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے‘ تو اس شخص کے قاتل کو قتل کرنے پر عمل در آمد ہوتا ہے حالانکہ صرف ایک شخص ہی اعلان کرنے والا ہوتا ہے کہ یہ شخص قتل کئے جانے کا اہل ہے۔اس لئے اس کو قتل کریں‘ لیکن حکومت وقت اس فرد واحد یعنی قاضی کے خلاف حرکت میں نہیں آتا بلکہ اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کی زندگی کو اگر دیکھا جائے تو بہت سی احادیث میں یہ بات ملتی ہے کہ خبر واحد کا اعتبار کیا جاتا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مختلف قبائل اور بادشاہوں کی طرف صرف ایک ایک قاصد پر اکتفاء فرمایا‘ صرف ایک عامل کو بھیجا۔ بنوحارثہ اپنی مسجد میں عصر کی نماز اور اہل قبا اپنی مسجد میں نماز فجر میں مصروف ہیں لیکن صرف ایک آدمی نے قبلہ کی تبدیلی کا حکم سناتے ہی سب نے تسلیم کر کے نماز ہی میں قبلہ کو تبدیل کر دیا۔حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ ابوعبیدہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہے تھے لیکن جب ایک آدمی نے آکر شراب کے حرام ہونے کی خبر دی تو حضرت ابوطلحہؓ نے یہ نہیں کہا: کہ تم فرد واحد ہو ہم تیری بات

نہیں مانتے جب تک ہمیں نبی کریم ﷺ خود نہ فرمائیں بلکہ فرمایا: کہ انس ؓ! اُٹھو اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالو چنانچہ حضرت انس ؓ اُٹھے اور فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اس سے بھی ذرا آگے جائیں نبی کریم ﷺ حضرت اُنیس ؓ کو علیحدہ بھیجتے ہیں کہ اگر فلاں شخص کی عورت زنا کا اقرار کرلے تو اس کو رجم کردو۔ حضرت انیس ؓ کے سامنے وہ اعتراف کرتی ہے اور اسے حد زنا کی وجہ سے رجم کردی جاتی ہے۔ حد جیسی اہم چیز جو معمولی شبہے سے بھی وہ ساقط ہو جاتی ہے' یہاں اس عورت کے اقرار پر گواہوں کی ضرورت بھی نہیں پڑی' بلکہ جب اس عورت نے صرف فرد واحد کے سامنے گواہی دی تو فرد واحد نے اس پر رجم جاری کردیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے امیر حج بنانے کے بعد حضرت علی ؓ کو سورۂ برأت کی آیات کے ساتھ اعلان کیلئے بھیجا گیا لیکن کسی نے بھی حضرت علی ؓ کے قول کو خبر واحد کی وجہ سے رد نہیں کیا۔

اسی طرح اگر سابقہ انبیاء کرامؑ کی طرف دیکھا جائے تو وہ حضرات بھی خبر واحد پر عمل کرکے چلے آئے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آل فرعون میں سے ایک شخص (جو کہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لایا تھا جس کے نام سے سورة المؤمن موسوم کیا گیا ہے) تشریف لاتے ہیں اور آپ علیہ السلام کو فرعون لعین کے غلط منصوبہ کی اطلاع دیتے ہیں آپ علیہ السلام اس پر عمل کرتے ہوئے وطن چھوڑتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صرف دو بیٹیوں کی بات مانتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا حالانکہ عورتوں کے دو افراد کی خبر بھی خبر واحد ہی کے قبیل سے ہے' لیکن حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دونوں بیٹیوں کے قول کو معتبر جان کر موسیٰ علیہ السلام کو ان کے ذریعے بلایا۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سنتے ہیں اور صرف آپ علیہ السلام کی بات سن کر اس پر مطمئن ہوتے ہوئے آپ علیہ السلام کو اپنے

پاس نہ صرف رکھتے ہیں، بلکہ ان کے نکاح میں اپنی بیٹی بھی دیتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے: کہ تم فرد واحد ہو، خبر واحد مفید ظن ہوتا ہے اور ظن سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے تمہاری بات نہیں مانتا بلکہ اسی ایک ہی شخص کی بات کو مانتے ہوئے ان کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔

ذرا آگے جاتے ہوئے تمام ادیان کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں ان سب کی ابتداء میں خبر واحد ہی کارفرما ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام جو کہ فرد واحد ہیں، آسمانی وحی لایا کرتے تھے۔ یہی حال ہمارے قرآن پاک کا بھی ہے۔ اب قرآن پاک کے ماننے سے منکرین حدیث جیسے کم فہم لوگ بھی انکار نہیں کرتے بلکہ اسلام کا ہر دعویدار اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتا ہے۔ اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا جائے تو وہ بھی فرداً فرداً آئے ہیں اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے تو ان حضرات کی خبر بھی خبر واحد میں شمار ہوتی ہیں کیونکہ عرفاً خبر واحد ہر اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو حد تواتر سے کم راویوں نے نقل کی ہو چاہے ہر زمانے میں اس حدیث کے راوی تین کیوں نہ ہوں وہ حدیث اگرچہ مشہور کہلاتی ہے لیکن یہ بھی خبر واحد کی ایک قسم شمار ہوتی ہے۔ بہر حال خود نبی کریم ﷺ بھی بغیر کسی تائیدی شخص کے اکیلے تشریف لائے تھے۔

قرآن پاک کی اس آیت ﴿اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا...... ﴾ (۱) یعنی اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر آئے، تو تحقیق کر لو۔ کہیں کسی قوم پر نادانی میں تم جا نہ پڑو پھر کل کو اپنے کیئے پر پچھتانے لگو، میں بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد معتبر ہے حتی کہ نابلد اور فاسق کی بات کو بھی فوراً ٹکرانے کا حق حاصل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس سے خبر واحد کی حجیت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث وسنت کے حجت ہونے میں شکوک وشبہات کا بحمد اللہ ازالہ ہو گیا۔

---

(۱) سورۃ الحجرات☆٦

باب سوم:

منکرین حدیث کے غلط نظریات وکفریہ عقائداوران کے مختصر جوابات

الحمدللہ! آپ حضرات کے سامنے قرآن مجید ہی سے حجیت حدیث وسنت پر کافی حد تک دلائل آ چکے۔اب فقیران ناعاقبت اندیش بدبختوں کے کچھ غلط نظریات اور کفریات بھی تحریر میں لانا چاہتا ہے تاکہ آپ لوگوں کوان کا کفرواضح ہوجائے اوران کافروں کے خلط ملط سے گریز کرسکیں۔علماء امت کا اس بات پراتفاق ہے کہ جوشخص کسی متواتر حدیث یا قرآن یا اجماع کا انکارکرے وہ شخص کافر ہے۔یہاں آپ حضرات کومعلوم ہوگا کہ متواتر احادیث اور اجماع کوچھوڑ کروہ قرآن پاک کے باغی' قرآن پاک میں ترمیم اورتحریف کرنے والے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بھی منکر ہیں۔ان بدبختوں کے عقائد دہریوں اورڈارون والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجود کے منکر ہونے کے علاوہ' حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے انکارکرنے والے'رسول اللہ ﷺ کوایک ڈاکئے کی حیثیت دینے والے'اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انکارکرنے اورمنہ موڑنے والے'ختم نبوت کے منکر'قرآن پاک کوتاقیامت آسمانی کتاب تسلیم کرنے کے منکر'شریعت محمدیہ کومنسوخ کہنے والے'ساری شریعت میں تحریف اورتغیر'ردوبدل کاعقیدہ رکھنے والے'احادیث کوجھوٹا کہنےاوران کامذاق اُڑانے والے'صدقات' قربانی'حج' تلاوت قرآن کریم اورایصال ثواب کے مذاق اُڑانے والے'تمام مسلمانوں کوقرآن کی روسے کافرکہنے والے' قرآن پاک میں تحریف معنوی کرنے والے'دین متین کے ہرشعبہ میں تحریف کے قائلین' دنیا میں اسلام کے موجود ہونے کے منکر'ملائکہ علیہم السلام'جبرائیل علیہ السلام کی ذات' جنت' دوزخ'نماز'زکوٰۃ کے منکراورقرآن پاک میں مذکورآخرت کے لفظ سے مستقبل کامعنی لینے والے لوگ ہیں۔شاید آپ حضرات کو

یقین نہ آتا ہوگا تو لیجئے انہی کی عبارات میں ان کے عقائد سنیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار:

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا کوئی خارجی وجود نہیں مانتے چنانچہ چودہری پرویز لکھتا ہے:''اور چونکہ خدا عبارت ہے ان صفاتِ عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔(۱)

ضروری نوٹ: یادرہے کہ پاکستان میں شائع شدہ اردو تفاسیر میں معارف القرآن کے نام سے تین تفاسیر منظر عام پر آئی ہیں۔(۱) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر (۲) مفسر قرآن حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد ادریس صاحب کاندہلویؒ جس کا کچھ حصہ ان کے بیٹے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمالکؒ نے لکھا ہے۔
(۳) چودھری غلام احمد پرویز ملعون کا ہے۔یہاں ان خبیثوں کے غلط عقائد اور کفریہ عقائد میں اسی تفسیر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔لہٰذا اس کتاب میں جہاں معارف القرآن کا حوالہ پائیں تو اس سے یہی آخری ملعون آنجہانی کی کتاب مراد ہوگی۔

اللہ ورسول ﷺ کا انکار:

چودہری پرویز کے نزدیک قرآن پاک میں جہاں بھی اللہ، قرآن اور رسول کا نام آیا ہے، اس سے مراد ''مرکز ملت'' اور ''مرکز نظام حکومت'' ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:''بالکل واضح ہے کہ اللہ ورسول سے مراد ''مرکز ملت'' ہے''۔(۲) اور لکھتا ہے:''اللہ اور رسول سے مراد مسلمانوں کا امام ہے''۔(۳) بعض مقامات پر اللہ اور رسول کے الفاظ کی بجائے قرآن اور رسول کے الفاظ آئے ہیں جن کا مفہوم بھی وہی ہے یعنی ''مرکز ملت'' جو قرآنی احکام کو نافذ کرے۔''قرآن کریم میں ''مرکز ملت'' کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۵)

---

(۱) معارف القرآن از پرویز:۴/۴۲۰ (۲) ایضاً:۴/۶۵۴ (۳) ایضاً:۴/۶۲۴ (۴،۵) ایضاً:۴/۶۳۰،۶۳۱

فائدہ: بعض اوقات پرویز ''مرکز ملت'' کی بجائے ''مرکز نظام حکومت'' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔(۱)

جواب:

یہاں ان ہی کی تشریحات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ قرآن پاک سے کھلی بغاوت اور اس میں صریح تحریف والحاد کے مرتکب ہیں کیونکہ کسی لفظ کی اپنے معنی پر تین اعتبارات (۱) لغوی (۲) عرفی (۳) اصطلاحی میں سے کسی ایک اعتبار سے دلالت ہوتی ہے، لیکن ہم قرآن پاک، عربی زبان کی مستند لغت کی کتب یا کسی علم کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآن سے ''مرکز ملت'' یا ''مرکز نظام حکومت'' مراد لینا نہیں پاتے اور نہ ''اللہ تعالیٰ کو ان صفات عالیہ سے، جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے'' کہیں معبر کیا ہے، حتی کہ نبی کریم ﷺ جو کہ اس قرآن کی تشریح کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے، نے بھی کہیں اس کی تشریح نہیں فرمائی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے مخاطبین اولین میں سے بھی کسی صحابیؓ نے یہ معنی نہیں بتایا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ، رسول اور قرآن کا یہی معنی لینا مقصود ہوتا تو قرآن پاک نے خود یہ تشریح کیوں نہ فرمائی یا اللہ تعالیٰ کے پیغمبرؑ یا کسی صحابیؓ نے اس کا یہ معنی کیوں نہیں بتایا؟ چلو چودہری کا ہی معنی مان لیتے ہیں لیکن اب اس کیلئے کوئی مضبوط دلیل درکار ہے ورنہ پھر اس کا معنی مفید ظن ہوگا اور ظن ان کے نزدیک نا قابل استدلال ہے۔

افسوس جس ہستی کی ذمہ داری ہی تشریح اور تبیین قرآن ہے، وہ تو نہ مانی جائے اور جس کی تشریح کرنے کی ڈیوٹی مقرر نہ کی گئی ہو بلکہ ایسی تشریح کو تفسیر بالرائے کرنے والے کیلئے نار جہنم تیار فرمائی ہو، وہ خود قرآن پاک کی تفسیر لکھ بیٹھے اور لوگوں کو اس تفسیر پر اعتماد کرنے کی دعوت دی جائے۔ باایں عقل ودانش بباید گریست

---

(۱) ایضاً: ۴/۶۲۳

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات میں کجروی کرنے سیدھی، سیدھی باتوں میں واہی تباہی شبہات پیدا کرنے اور سیدھے مطلب کو توڑ مروڑ کر ٹیڑھا کرنے اور اس سے غلط مطلب نکالنے کو الحاد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ملحدین کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا﴾ (۱) یعنی بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری آیات میں الحاد (اور کجروی کی راہیں نکالتے ہیں، وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' بھی کہتے ہیں تو آیئے! قرآن پاک سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی بابت پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کونسی شخصیت کا نام ہے، تو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس سوال کا جواب سورۃ الاخلاص سے دیتے ہیں: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ☆ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ☆ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ☆ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ☆﴾ یعنی اے پیغمبر (ﷺ)! کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ ایک جگہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ☆﴾ (۲) یعنی اور تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد عالی ہوتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ☆ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ☆﴾ (۳) یعنی اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا اسی کی بات سچی ہے اور

(۱) سورة فصلت☆ ٤٠ (۲) سورة البقرة☆ ١٦٢ (۳) سورة الانعام☆ ٧٣

اسی کی بادشاہت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا جاننے والا ہے۔

آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کو نہ صرف ذات بتایا ہے بلکہ اس کو اکیلا اور متصرف الامور حتی کہ زمین وآسمانوں کا پیدا کرنے' اولا دُ والدین سے بلکہ تمام عالم سے بے نیاز اور تمام عالم کا اس کو محتاج ہونا نیز تمام چھپی ہوئی رازوں تک' کا جاننے والا بتایا گیا ہے۔اگر زمانہ بعید کا جائزہ لینا چاہیں یا زمانہ قریب کا تو کفار ومشرکین میں بھی ایسے افراد کی اکثریت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے نہ صرف قائل تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین وآسمان اور شمس وقمر کے خالق اور مسخر کرنے والا مانتے تھے'چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ☆﴾(۱) یعنی اور البتہ اگر آپ (ﷺ) ان لوگوں سے سوال کریں کہ کس نے آسمان اور زمین کو بنائے ہیں اور سورج اور چاند کو کام پر لگائے ہیں؟ تو ضرور یہ کہیں گے: کہ اللہ تعالیٰ نے۔پھر آخر یہ لوگ کدھر پھیرے جاتے ہیں؟

ان آیات بینات سے واضح ہوا کہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے نہ صرف معترف تھے بلکہ اس کو خالق السمٰوٰت والارض وغیرہ صفات سے متصف بھی مانتے تھے۔یہی حال زمانہ حال کے اکثر کفار کا بھی ہے' لیکن افسوس صد افسوس چودھری پرویز پر کہ اپنے آپ کو اسلام اور قرآن کا نہ صرف دعویدار بلکہ ترجمان بتاتا ہے لیکن اسی قرآن اور اسلام کے بھیجنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر ہے۔معلوم ہوا کہ قرآن پاک پر عمل کرنے کا دعویٰ صرف امت کو ورغلانے کی خاطر کرتا ہے ورنہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا عامل کس طرح ہو سکے گا۔یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب☆امين☆

---

(۱)سورۃالعنکبوت☆٦١

اللہ ورسول ﷺ اوراولوالامر کی اطاعت میں تحریف:

چودھری موصوف کے ہاں جب ''اللہ تعالیٰ اوراللہ تعالیٰ کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت'' کا ذکر آتا ہے' تواس سے اس کے نزدیک ''مرکز ملت اور مرکزی حکومت کی اطاعت'' اور جہاں ''اولوالامر'' کا ذکرآتا ہےتو اس سے مراد ''ماتحت افسران'' ہوتے ہیں اور اس کا کہنا ہے: کہ ''اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت'' سے ''قرآن وسنت کی اطاعت'' مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا طریقہ تو کسی ملکی قانون میں بھی نہیں ہے۔

چودہری آنجہانی کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس کی جگہ آپ ﷺ کا خلیفہ لے لیتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''اللہ ورسول سے'' مراد ہی ''مرکز ملت '' (central authority) ہے اور ''اولی الامر'' سے مفہوم ''ماتحت افسران'' (۱) اور لکھتا ہے: کہ ''اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت'' سے مراد ''مرکزی حکومت کی اطاعت'' ہے جو قرآنی احکام نافذ کریگی۔ (۲) ایک جگہ لکھتا ہے: کہ رسول اللہ کے بعد ''خلیفۃ الرسول'' رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے اور اب ''خدااور رسول (ﷺ) کی اطاعت'' سے مراد یہی جدید ''مرکز ملت کی اطاعت'' ہوتی ہے۔ (۳) ایک اور جگہ لکھتا ہے: کہ اس آیت مقدسہ میں عام طور پر ''اولی الامر'' سے مراد لئے جاتے ہیں ارباب حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ اگر قوم کو حکومت سے اختلاف ہوجائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھکر مناظرہ کیا جائے۔ ذرا غور فرمائیے کہ دنیا میں کونسا نظام حکومت اس طرح قائم بھی رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہوجائے اور قرآن

(۱) ایضاً:۴/۶۲۶ (۲) اسلامی نظام از پرویز:۸۶ (۳) معارف القرآن پرویزی:۴/۶۸۶

واحادیث کی کتابیں بغل میں داب کرمناظرہ کا چیلنج دیدے۔

اس آیت مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے اس میں ''اللہ اور رسول (ﷺ) کی مراد'' ''مرکز ملت'' (central authority) ہے اور ''اولی الامر'' سے مفہوم ''ماتحت افسران'' ۔اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ''مقامی افسر'' سے کسی معاملہ میں اختلاف ہوجائے تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشات شروع کردو امر متنازع فیہ کو ''مرکزی حکومت'' کے سامنے پیش کردوا سے مرکزی حکومت کی طرف (refer) کردو مرکز کا فیصلہ سب کیلئے واجب التسلیم ہوگا۔(۱)

جواب:

پرویز نے نہایت دجل کرتے ہوئے تحریف معنوی کا ارتکاب اور لفظ کی قطعی وظاہری معنی سے انحراف کیا ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر کسی جگہ نظام حکومت نہ ہوتو وہاں ''اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت'' کی کیا شکل ہوگی؟ کیا اس کا کوئی جواب قرآن پاک نے دیا ہے یا نہیں۔اگر دیکھا جائے تو قرآن نے دسیوں جگہوں میں ''اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت'' کا حکم دیا ہے جیسا کہ منکرین حدیث کے اعتراضات کے ضمن میں چند آیات ذکر کی گئی تھیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت'' اسلام کی اولین بنیاد ہے اور سارے دین کی عمارت انہی دوذوات کی اطاعت پر قائم ہے اور جن لوگوں نے ان دونوں کی اطاعت سے منہ موڑا ہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے کفار کی صفوں میں شمار فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ☆﴾ (۲) یعنی آپ کہہ

---

(۱)اسلامی نظام: ۱۱۰'۱۱۱ (۲) سورة اٰل عمران ☆ ۳۲

دیجئے: کہ ''اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت'' کرو پس اگر تم اس سے اعراض کروتو (یادرکھو) کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اب سوال یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت'' تو اتنی ضروری ہے کہ اس سے انحراف کرنے والے کو قرآن کافر کہتا ہے تو کیا نظام حکومت کی اطاعت سے انحراف کرنے والا کافر ہے اگر تمہارا جواب نفی یا اثبات میں ہے تو ہر دو صورت میں جواب قرآن پاک سے صریح طریقے سے چاہئے' ورنہ تمہاری بات ظنی ہے جس کی تمہارے قاعدے کے مطابق کوئی حیثیت نہیں ہے۔

؎ نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ باز و میرے آزمائے ہوئے ہیں

رسول کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے:

چودھری پرویز کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا قرآنی تعلیمات کے سراسر منافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف اطاعت کیلئے کسی کو دعوت دی جائے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ لہٰذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکز نظام دین ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔''(۱)

جواب:

جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے معلوم ہو چکا کہ اطاعت رسول ﷺ

(۱) معارف القرآن پرویزی:۴/۶۱۶

اصول دین اور مسلمات اسلام میں سے ہے۔قرآن کریم نے حصر کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کو ذکر فرمایا ہے۔(۱) اور صرف حصر پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ایک جگہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی اطاعت قرار دی ہے۔(۲) اس سے بھی بڑھ کر اپنی محبت کے دعویداروں کو واضح الفاظ میں بتادیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو نبی کریم ﷺ کا اتباع کرو۔تب ہی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت فرمائیں گے اور پھر آگے اسی آیت میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے اطاعت سے منہ موڑنے والوں کو کافر تک کہہ دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے اطاعت سے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ محبت نہیں فرماتے۔(۳)اور پھر اس اطاعت کا قرآن پاک میں باربار حکم دیا۔(٤)تاکہ چودھویں اور پندرھویں صدی کا کوئی فرد بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا شخص کسی مسلمان کو دھوکہ اور فریب دیکر گمراہ نہ کرے اور صرف بار بار تاکیدی حکم دینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے تمام باہمی تلخیوں' جھگڑوں اور زندگی کے تمام فیصلوں میں آپ ﷺ کو اپنا حَکَم مانتے ہوئے آپ ﷺ کے فیصلے کو دل وجان اور ظاہر وباطن سے قبول کرنے کو ایمان کی شرط قرار دی ہے۔(٥)اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی مؤمن کو انحراف کرنے کا بالکل اختیار نہیں دیا بلکہ اس کی سلامتی کی راہ ہی یہی بتائی ہے کہ وہ ان فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرے' ورنہ اس کے مقدر میں ضلال اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔(٦)اور ان انحراف ومخالفت کرنے والے لوگوں کو دردناک عذاب (٧)اور نار جہنم کی دھمکی دی ہے۔(٨)آیات کی تفصیل گزر چکی ہے۔لہٰذا صرف اشارات پر اکتفاء کیا ہے۔البتہ وہاں احادیث ذکر نہیں کئے گئے تھے کیونکہ اس وقت صرف

---

(۱)سورۃالنساء(۲)ایضا(۳)سورۃال عمران (٤)سورۃال عمران' سورۃ الانفال' سورۃالنور' سورۃمحمد (٥)سورۃ النساء (٦)سورۃالاحزاب(٧)سورۃالنور (٨)سورۃالنساء

یہ بتانا تھا کہ قرآن ہی سے نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع ثابت اور آپ ﷺ کی رسالت و شریعت تا قیامت برقرار ہونا یقینی ہے۔اس وجہ سے آپ ﷺ کی تشریحات تا قیامت بلا ترددمحفوظ ہونے ضروری ہیں اور جب بات ایسی ہے' تو نبی کریم ﷺ کی احادیث جو قرآنی تشریح' تفسیر' تبیین اور جناب نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مکمل نقشہ کے ساتھ بتاتا ہے' بھی قابل عمل بلکہ اساسِ دین ہونے ضروری ہیں۔ چونکہ وہاں حجیت حدیث وسنت ثابت ہو گیا اس لئے اب یہاں استدلال کے طور پر احادیث کو بھی ذکر کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔اس لئے چند احادیث کو بھی پڑھیں تاکہ مزید باعث شرح صدر اور سبب اطمینان ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قیل من ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی" (۱) یعنی''میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان لوگوں کے جو انکار کریں۔عرض کیا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی' جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا (اور وہ جنت سے محروم ہوا) اور حضرت جابرؓ کی ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "فمن اطاع محمدا فقد اطاع اللّٰہ ومن عصی محمدا فقد عصی اللّٰہ ومحمد فرق بین الناس" (۲) یعنی جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ خطِ امتیاز کھینچنے والے ہیں مومن اور کافر کے درمیان۔

مذکورہ دونوں حدیثوں میں نبی کریم ﷺ نے اپنی اطاعت پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے البتہ اطاعت سے انحراف کرنے والوں کو انکار کرنے والوں کے زمرے میں داخل فرماتے

(۱'۲) صحیح البخاری

ہوئے جنت میں جانے سے ان کی نفی فرمائی ہے اور دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بیان فرماتے ہوئے مزید وضاحت فرمائی کہ مؤمن اور کافر کے درمیان فرق جاننے کیلئے محمد ﷺ خط امتیاز ہیں یعنی اگر آپ ﷺ کا اطاعت گزار تھا تو مؤمن ورنہ کفار کے زمرے میں داخل ہوگا۔

قارئین کرام! ہوسکتا ہے کوئی کہے: کہ نبی کریم ﷺ اپنی زندگی مبارک کی بات فرمارہے ہیں آپ ﷺ کی رحلت فرمانے کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت کرنا ضروری نہیں تو عرض ہے کہ جب نبی کریم ﷺ تاقیامت آنے والے تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع بھی تاقیامت ہونی ضروری ہے۔فقیر شرح صدر کی مزید حصول کیلئے موطا امام مالکؒ کی ایک روایت نقل کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما کتاب اللہ وسنة رسولہ" یعنی میں نے تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان پر عمل کرتے رہو گے گمراہ نہیں ہوگے۔اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول (ﷺ) کی سنت۔

الحاصل جس طرح قرآن پاک سے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا ثبوت روز روشن کی طرح واضح ہے اسی طرح احادیث بھی اطاعت رسول ﷺ کے لزوم پر وضاحت کے ساتھ اعلان کرتی ہیں۔پس معلوم ہوا کہ اطاعت رسول ﷺ کا قرآن نے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کو خوب واضح اور ثابت فرمایا ہے اس لئے جو لوگ اس آپ ﷺ کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں وہ یقیناً قرآن سے انحراف کرنے والے ہیں۔

ساری شریعت میں ردوبدل:

عجیب بات ہے منکرین حدیث ایک طرف اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں

اوردوسری طرف رسول ﷺ کی اطاعت سے بغاوت پر برسر پیکار ہیں اور باوجود اس کے قرآنی احکام کے نفاذ کو بھی چاہتے ہیں ۔لیکن آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کا قرآنی نظام ہمارے قرآنی نظام کی طرح نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں کسی اور معنی میں ہے۔ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تبدیل کرنے کا اختیار بھی اہل حکومت کو ہے‘(نعوذ باللہ) حتی کہ نظامِ نماز وزکوۃ میں تبدیلی بلکہ ان کو بالکل ساقط کرنے کا اختیار بھی حکومت وقت کو حاصل ہے چنانچہ منکرین حدیث کے پیشوا چودھری پرویز آنجہانی لکھتا ہے:’’اگر رسول اللہ ﷺ کی متعین فرمودہ جزئیات کو قرآنی جزئیات کی طرح قیامت تک واجب الاتباع (یعنی نا قابل تغیر وتبدل) رہنا تھا تو قرآن نے ان جزئیات کو بھی خود ہی کیوں نہ متعین کردیا۔یہ سب جزئیات ایک ہی جگہ مذکور اور محفوظ ہو جاتیں۔‘‘

جواب:

اگر اللہ تعالیٰ دین کے سارے جزئیات صرف ایک قرآن پاک میں سمیٹتے تو اس سے بہت ضخیم کتاب بنتی نیز اللہ تعالیٰ نے دین کے جزئیات نبی کریم ﷺ کے واسطہ اس لئے نہیں بتائے کہ یہ عبوری تھے‘ ورنہ پھر تو نبی کریم ﷺ کی نبوت بھی عبوری بن جائے گی بلکہ یہ جزئیات نبی کریم ﷺ کے ذمہ اس لئے چھوڑے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قرآنی کلیات بتا کر اس کے جزئیات آپ ﷺ ہی کے ذریعے واضح کرنا مقصود تھا۔کیا اس بدبخت نے اس آیت کریمہ میں کبھی غور نہیں کیا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کی تشریحات عبوری احکامات ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ﴾ فرما کر آپ ﷺ ہی کی ڈیوٹی کیوں بتائی ؟ ۔یہی وجہ تو تھی کہ اس کے جزئیات نبی کریم ﷺ ہی نے امت کیلئے واضح کرنے تھے ۔اگر کسی اور مائی کے لعل نے واضح کرنے ہوتے تو خود قرآن

پاک یا لسان نبوی (ﷺ) سے اس کی تصریح ملتی جیسا کہ مجتہدین کی بابت بعض جزئیات کے واضح کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔لیکن پرویز جیسے بد بخت کیلئے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے کہیں تصریح نہیں فرمائی کیونکہ مجتہد کیلئے دوسرے شرائط میں سے ایمان بھی شرط ہے اور پرویز تو ضروریات دین سے انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہے۔

"اقیموا الصلوٰۃ" کے معنی میں تحریف:

''عجم میں مجوسیوں (پارسیوں) کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا تھا (یہ لفظ ان کے ہاں کا ہے اور ان کی کتابوں میں موجود ہے۔) لہٰذا صلوٰۃ کی جگہ نماز نے لے لی اور قرآن کی اصطلاح "اقیموا الصلوٰۃ" کا ترجمہ ہوگیا نماز پڑھو۔ جب گاڑی نے اس طرح پٹڑی بدلی (یعنی صلوٰۃ سے مراد نماز مراد لی) تو اس کے پہیئے (؟) کا ہر چکر اسے منزل سے دور لے جاتا گیا چنانچہ اب حالت یہ ہوچکی ہے کہ "اقیموا الصلوٰۃ" سے ذہن نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور طرف منتقل ہی نہیں ہوتا اور نماز پڑھنے سے مراد ہے' خدا کی پرستش کرنا'' (۱)

آیئے قرآن پاک پر اس دجال کا بہتان پڑھیں وہ لکھتا ہے: کہ ''قرآن کریم نے نماز پڑھنے کیلئے نہیں کہا قیام صلوٰۃ یعنی نماز کے نظام **(institution)** کے قیام کا حکم دیا ہے مسلمان نمازیں پڑھتے ضرور ہیں لیکن انہوں نے نظام الصلوٰۃ کو قائم نہیں کیا ان کی نماز ایک وقت معینہ کیلئے' ایک عمارت (مسجد) کی چار دیواری کے اندر ایک عارضی عمل بن کر رہ جاتی ہے۔(۲)

قارئین کرام! دروغ گو را حافظہ نہ باشد آپ حضرات نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ پرویز نے پہلے کہا تھا کہ نماز پڑھنے کیلئے قرآن نے نہیں کہا اب کہتا ہے کہ قیام صلوٰۃ (اور صلوٰۃ کا معنی خود بھی نماز کا کیا) کا ذکر ملتا ہے۔آگے پڑھیں ان لوگوں کے نزدیک نماز کے قیام کے حکم کے علاوہ اس کے پڑھنے کا حکم بھی ملتا ہے' اگرچہ ان کے بقول پانچ کی بجائے دو نمازوں کے

(۱)(۱) قرآنی فیصلے از پرویز: ۲۶'۲۷ (۲) معارف القرآن پرویزی: ۴/ ۳۲۸

پڑھنے کا حکم قرآن میں ملتا ہے۔ چنانچہ پرویز لکھتا ہے ''سورۃ نور میں صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ العشاء کا ذکر آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہیئے کہ وہ تمہاری (pravacy) کے اوقات میں اجازت لیکر کمرے کے اندر آیا کریں یعنی ﴿من قبل صلوٰة الفجر وحين تضعون ثيابكم من الظهيرة ومن بعد صلوٰة العشاء﴾ ''صلوٰۃ الفجر'' سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو اور ''صلوٰۃ العشاء کے بعد'' اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے زمانے میں اجتماعات صلوٰۃ کیلئے یہ دو اوقات متعین تھے جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لیکر کیا ہے۔(۱)

پہلے تو قرآن پاک میں نماز پڑھنے کے ذکر کا منکر تھا اب دو ہی صحیح، لیکن الحمدللہ ماننے پہ تو آیا۔ ذرا آگے جایئے! یہ لوگ نماز جیسی اہم عبادت میں حکومت وقت کو ردوبدل کی اجازت بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ پرویز لکھتا ہے: کہ ''جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادت دونوں پر منطبق ہوگا یعنی اگر جانشین رسول اللہ (قرآنی حکومت) نماز کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا۔ اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کا اصولاً مجاز ہوگا''۔(۲)

جواب:

یہ ان کے دجل وتلبیس ہی کا کارنامہ ہے اور ایسا کفریہ معنی تراشا ان ہی کا کرشمہ ہوسکتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں جہاں بھی ''اقامت صلوٰۃ'' کا ذکر آیا ہے وہاں اس سے تمام آداب ظاہرہ وباطنہ کے ساتھ اس معروف عبادت کی ادائیگی ہے۔ جس کی تشریح وتفسیر نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ارشادات سے بیان فرمائی اور عملاً بھی اس کی تشریح فرماتے ہوئے "صلوا كما رأيتموني اصلي" کا حکم فرمایا یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو اسی طرح

(۱) لغات القرآن از پرویز: ۳/۱۰۴۳، ۱۰۴۴ (۲) قرآنی فیصلے از پرویز: ۱۴، ۱۵

تم بھی نماز پڑھا کرو۔ پوری امت نے بھی عہد رسالت سے تاہنوز ''اقامت صلوٰۃ'' کا یہی معنی سمجھا ہے اور اسی پر پوری امت تاہنوز عمل پیرا ہے۔ اس لئے علماء کرام نے اس متواتر عمل سے انکار کرنے والے کو کافر کہا ہے۔

قارئین کرام! نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو اوقات کیلئے اجتماعات صلوٰۃ ہونے کی جو بات اس نے گھڑی ہے یہ بھی اسلام پر صریح بہتان ہے۔ کیونکہ دور نبویؐ میں نماز کے پانچوں اوقات میں اجتماعات صلوٰۃ کے ثابت ہونے سے صرف وہ شخص انکار کرسکتا ہے جو تواتر کا منکر ہو اور یہ کفر ہے کیونکہ تواتر سے ثابت شدہ فرض حکم کا انکار کرنا کفر ہے۔ لہٰذا منکرین حدیث کے پیشوا کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔

بہرحال نماز اور دیگر عبادات میں تغیر وتبدل کی اجازت نہ قرآن پاک نے دی ہے اور نہ سنت رسول ﷺ نے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام میں تبدیلی کرنے والا شخص قرآن وحدیث کی روشنی میں کافر، ملحد اور زندیق ہے۔

زکوٰۃ ایک عبوری چیز اور ٹیکس ہے اس میں ردوبدل اور نسخ جائز ہے:

ان لوگوں کے ہاں اللہ تعالیٰ کی عبادات ایک مذاق کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ان میں وہ لوگ بوقت ضرورت تبدیلی کے قائل ہیں ان کے ہاں زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے جس کی شرح میں نہ صرف ردوبدل کرنا جائز ہے، بلکہ اس کا منسوخ اور ختم کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ پرویز لکھتا ہے: ''اگر خدا کا منشا یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کیلئے اڑھائی فی صد ہونی چاہئے تو وہ اسے قرآن میں خود بیان کردیتا۔ اس سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی تھا ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی رہے''۔(۱)

ایک جگہ لکھتا ہے: ''زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر

---

(۱) مقام حدیث: ۲/۲۹۲، ۲۹۳

عائد کرے۔اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی اس لئے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریاتِ ملی پر ہے حتیٰ کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ اصول کرسکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو۔لہٰذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہوتو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی''۔(۱)

ایک خط میں لکھتا ہے: کہ''اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے متعلق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا بیس فی صدی ہے' تو یہی بیس فیصدی شرعی شرح قرار پا جائے گی اور جب قرآنی نظام ربوبیت اپنی آخری شکل میں قائم ہوگا تو اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہو جائے گی''۔(۲)(یعنی جب ملک میں مکمل طور پر اشترا کی نظام رائج ہوگا تو زکوٰۃ کی ضرورت ختم ہو جائیگی کیونکہ زکوٰۃ کا حکم تو پرویز کے نزدیک عبوری دور سے متعلق ہے۔)

آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟''ظاہر ہے کہ ہماری حکومت ہنوز اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے آج کل زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حکومت ٹیکس وصول کررہی ہے۔اگر یہ حکومت اسلامی ہوگئی تو یہ ٹیکس زکوٰۃ ہو جائے گا ایک طرف ٹیکس اوراس کے ساتھ دوسری طرف زکوٰۃ قیصر اور خدا کی غیر اسلامی تفریق ہے۔''(۳)

ایتاءزکوٰۃ کے معنی میں تحریف کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ''ایتاءزکوٰۃ نوع انسانی کی نشو ونما کا سامان پہنچانے'' کو کہتے ہیں۔''(۴)

جواب:

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک بنیادی رکن ہے۔جس سے انکار کرنا کفر ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کا بار بار حکم دیا ہے اوراس کے مصارف کا خود تعین فرمایا ہے۔

(۱)ایضاً:۳۵ (۲)سلیم کے نام پانچواں خط:۱/۷،۸۷ (۳)ایضاً:۳۷ (۴)نظام ربوبیت:۸۷

البتہ اس کے جزئیات کی تفصیل نبی کریم ﷺ کے ذریعے فرمائی ہے ورنہ پھر تو قرآن پاک ہی ایک ضخیم کتاب بن جاتی اور نبی کریم ﷺ پر قرآن پاک کا نزول اسی مقصد کیلئے تھا کہ آپ ﷺ خود اس کی تشریح قول اور عمل کے ذریعے فرمائیں گے۔ اس لئے اگر ہر چیز کے جزئیات اللہ تعالیٰ ہی بتاتے تو پھر آپ ﷺ کے مبعوث فرمانے کا مقصد ہی فوت ہوجاتا نیز چونکہ نبی کریم ﷺ کی رسالت تا قیامت ہے اس لئے آپ ﷺ کی بتائی ہوئی جزئیات بھی تا قیامت برقرار رہیں گی کوئی شخص اس میں تبدیلی کا مجاز نہیں ہے اگر کوئی شخص اس میں تبدیلی کا مجاز ہوتا تو اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول ﷺ اس کا ذکر ضرور فرماتے لیکن جب اس کا ذکر نہیں فرمایا تو اس حکم میں تبدیلی بھی ناجائز' الحاد' زندقہ اور کفر ہے۔

الغرض زکوٰۃ کی شرح نبی کریم ﷺ کا متعین کردہ' خلفائے راشدینؓ کا نافذ کردہ اور پوری امت کا از عہد رسالت تاہنوز مسلّم اور معمول بہا رہا ہے اس لئے اس متواتر عمل سے انکار کرنا یقیناً کفر اور الحاد ہے۔ نیز یہ بات کہ زکوٰۃ ٹیکس ہے اس میں تغیر وتبدل جائز ہے اور آج کل اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ دینے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا' کا کہنا بھی یقیناً واضح کفر ہے کیونکہ یہ اسلام کا ایک بنیادی تا قیامت باقی رہنے والا رکن اور مسلماتِ اسلام میں سے ایک عظیم عبادت ہے۔ اس کا کسی وقت منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھنا بالکل باطل' کفر اور الحاد ہے۔ اگر زکوٰۃ کا حکم کسی وقت منسوخ ہونا تھا تو ضرور بالضرور ایسے اہم رکن کے بارے میں قرآن پاک یا حدیث وسنت میں اس کا ذکر صراحۃً نہ صحیح' کنایۃً یا اشارۃً ضرور ہوتا' لیکن جب اس کی منسوخیت یا وقتی اور عبوری ہونے کا کوئی ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ملتا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زکوٰۃ کا حکم تا قیامت برقرار رہے گا اور اس کا انکار وہی شخص کرے گا جو کفر اور زندقہ کی پیداوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کفر والحاد اور زندقہ سے بچاتے ہوئے خاتمہ بالایمان سے نوازے۔ آمین۔

صدقہ فطر ڈاک کے ٹکٹ اور اسلامی ٹیکس ہے:

عام صدقات کا مذاق اُڑاتے ہوئے چودھری پرویز لکھتا ہے: کہ ''صدقات ان ٹیکسوں کا نام ہے جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے عائد کئے جاتے ہیں انہی میں صدقۂ فطر ہے۔''(۱)

ایک جگہ صدقہ فطر کا مذاق اُڑاتے ہوئے اسلام کی بیخ کنی کرنے والا پرویز یوں لکھتا ہے: ''اب سنت رسول اللہ کا صرف اتنا حصہ پیش کیا جاتا ہے کہ نماز سے پہلے صدقۂ فطر نکال کر اپنے اپنے طور پر غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو روزے معلق رہ جائیں گے خدا تک نہیں پہنچیں گے گویا صدقۂ فطر ملت کے اجتماعی مصالح کیلئے بلکہ ڈاک کے ٹکٹ ہیں جنہیں روزوں پر چسپاں کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ روزے مکتوب الیہ (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائیں غور فرمایا آپ نے کہ بات کیا تھی اور کیا بن گئی............لیکن جب تک دین کی باگ ڈور مولوی کے ہاتھ میں ہے صدقات نکلتے رہیں گے زکوٰۃ دی جاتی رہے گی قربانیاں ہوتی رہیں گی لوگ حج بھی کرتے رہیں گے اور قوم بدستور بے گھر، بے در، بھوکی، ننگی، اسلام کے ماتھے پر کلنگ کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی۔ کتنا بڑا ہے یہ انتقام جو ہزار برس سے اسلام سے لیا جا رہا ہے اور غور کیجئے اس انتقام کیلئے آلۂ کار کن لوگوں کو بنایا جاتا ہے''۔(۲)

جواب:

صدقۂ فطر واجب ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی واضح طور پر تعلیم فرمائی ہے عہد رسالت سے تاہنوز تمام امت مسلمہ کا اس پر تعامل چلا آ رہا ہے۔ اس لئے اس قسم کا عقیدہ رکھنا جیسا کہ پرویز کا ہے یقیناً اسلام پر مذاق، استہزاء اور استخفاف ہے اور کفر، الحاد اور زندقہ ہے۔

---

(۱) قرآنی فیصلے: ۵۰ (۲) ایضاً: ۵۱، ۵۲

حضرت آدم علیہ السلام کی ذات کے منکراورڈارون کےنظریہ ارتقاء کے پیروکار:

منکرین حدیث آدمؑ کے کسی شخصی وجود ماننے کو تیار نہیں اور قرآن کریم میں جس آدمؑ کا ذکر ہے' ان سے وہ انکار کرتے ہیں چنانچہ چودھری پرویز آنجہانی لکھتا ہے: کہ ''ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدم جس کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے' نبی تھے۔قرآن سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصۂ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا۔بالفاظ دیگر قصۂ آدم کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود ''آدمی'' کی داستان کا ہے۔جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے' جب اس نے قدیم (primitire) انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی (social life) شروع کی۔''(۱)

مزید گوہرافشانی کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ ''یہ سوال کہ دنیا میں ''سب سے پہلا انسان'' کس طرح وجود میں آ گیا؟ ذہنِ انسانی کیلئے وجہ ہزار حیرت واستعجاب رہا ہے چنانچہ ان مذاہب میں جن میں توہم پرستی نے حقائق کی جگہ لے رکھی ہے اس عقیدے کے حل میں عجیب وغریب افسانہ طرازیوں سے کام لیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے متعلق جو بتایا ہے۔وہ ٹھیک وہی ہے جس کی طرف علم وبصیرت کے انکشافات راہنمائی کئے جا رہے ہیں۔سائنس کے انکشافات کی رو سے خاک ذرے مختلف ارتقائی منازل طے کر کے قرنہا قرن کے بعد انسانی صورت میں متشکل ہو گئے یعنی سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورتِ انسانی میں جلوہ گر نہیں ہوا بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی ان متنوع مراحل کی تفصیل قرآن کریم کی

---

(۱)لغات القرآن از پرویز:۱/۲۱۴

آیات جلیلہ میں عجیب انداز میں سمٹی ہوئی ہے۔"(۱)

جواب:

قرآن کریم نے انسان کی پیدائش کا واقعہ کئی جگہ بیان فرمایا ہے لیکن ان مقامات میں کہیں بھی پرویز اور ڈارون کا منحوس عقیدہ نہیں ملتا۔ صراحۃً تو درکنار کہیں اشارۃً اور کنایۃً بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ دراصل اس نے اپنے انگریز آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے قرآن پاک پر بہتان باندھا ہے۔ یہ عقیدہ یقیناً کفریہ عقیدہ ہے اس بدبخت نے نہ صرف قرآن پاک پر جھوٹ باندھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان کی توہین اور اس سے بڑھ کر ایک عظیم پیغمبر حضرت آدمؑ کی تذلیل کی ہے اور اس کی نبوت سے انکار کیا۔ لہٰذا ایسے عقیدہ رکھنے سے آدمی یقیناً کافر اور ملحد بنتا ہے۔ قرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کی پیدائش کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کو بھی مطلع فرمایا تھا، لیکن یہ بدبخت فرشتوں کا بھی منکر ہے، جبرائیلؑ کی ذات کا بھی انکار کرتا ہے۔ اب جبکہ وہ فرشتوں کی ذات کا منکر ہے تو ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلع ہونا کس طرح مانے گا؟ بہرحال اسی قرآن پاک میں فرشتوں کا آپؑ کو سجدہ کرنے کا ذکر آتا ہے اور کئی بار آتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں دنیا میں بھیجنے کے بعد اسی ایک ہی جوڑے، (حضرت آدمؑ اور آپؑ کی بیوی حضرت حواؑ) سے انسانی نسل کا آغاز مذکور ہے۔ نظریہ ارتقاء کے مطابق انسانی نسل کے آغاز ہونے کا ذکر بالکل نہیں ہے۔ یہ بالکل دجل وفریب اور محض اسلام پر افتراء ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیات خود واضح ہیں ان کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ

---

(۱) ابلیس وآدم از پرویز ۶۳،۶۴

فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ‌ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ‌ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ☆وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓٮِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ☆قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ☆قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآٮِٕهِمۡ‌ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآٮِٕهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ☆وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓٮِٕكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ☆وَقُلۡنَا يٰٓـاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ وَكُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَيۡثُ شِئۡتُمَا ۖ وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ☆ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيۡهِ‌ ۖ وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَـكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ☆﴾ (۱) یعنی اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو' کہ میں بنانیوالا ہوں زمین میں ایک نائب فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں اس کو قائم کرتا ہے' جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذات پاک کو' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے ....اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان' اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ کا فروں میں سے تھا اور ہم نے کہا: اے آدم! رہا کرو تو اور تیری

---

(۱) سورۃ البقرۃ ☆ ۳۰ تا ۳۶

عورت جنت میں اور اس میں سے جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جانا پھر تم ظالم ہو جاؤ گے۔اور ارشاد الٰہی ہے:﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً﴾(۱) یعنی اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلایا ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو۔

قارئین کرام! یہاں مذکورہ آیات میں صاف اور صریح الفاظ حضرت آدمؑ کو فرد واحد بتایا گیا ہے' لہٰذا ان صریح اور واضح آیات سے انکار اور ایک مستقل نوع کا یکدم وجود میں آنے کا عقیدہ بالکل کفر وضلال اور اسلام کے مسلمات سے انکار کرنا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا انکار:

چودھری اور ان کے ہمنواؤں کا عقیدہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہونگے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: کہ "ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعے رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرہ کی باگ ڈور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی۔" (۲) مزید موتیاں نچھاور کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ "اب نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے خود کرنے ہونگے صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہو جائے جو وحی نے عطا کئے ہیں اور جو ابدفتین میں محفوظ ہیں۔" (۳)

جواب:

حیرانگی کی بات ہے کہ ایک طرف تو قرآنی اصول کو غیر متبدل بتا رہا ہے اور دوسری

---

(۱) نساء☆۱ (۲) سلیم کے نام پندرھواں خط:۲۵۰ طبع اول اگست ۱۹۵۳ء (۳) سلیم کے نام اکیسواں خط:۲/۱۲۰

طرف سارے قرآن کو اس نے تبدیل کر دیا معلوم نہیں وہ کونسے اصول قرآن نے دیئے ہیں جو تبدیل نہیں ہوسکتے کیونکہ اس کے نزدیک جب اللہ کی ذات، جس کا ہر آسمانی مذہب قائل ہے، مرکز ملت میں تبدیل ہوگئی اور نماز پوجا پاٹ اور مجوسیوں کی عبادت میں، زکوۃ ٹیکس میں، روزہ برت اور حج یاترا میں تبدیل ہوگئی اور اس کے نزدیک ان امور کو نہ افادیت سے کچھ تعلق ہے اور نہ عقل وبصیرت سے کچھ واسطہ۔ اسی طرح سورۃ الاسراء میں مذکور معراج خواب کا واقعہ ہے یا ہجرت کی داستان اور مسجد اقصی سے اس نے مسجد نبوی بنا دیا۔ تقدیر کو مجوسیوں کا عقیدہ کہہ دیا۔ حج کو عبادت سے نکال کر عالم اسلامی کی ایک بین الملی کانفرنس اور اس میں قربانی کو راشن مہیا کرنے میں تبدیل کر دیا۔ تلاوت قرآن کریم کو عہد سحر یعنی جادو کے زمانے کی یادگار بتایا۔ جنت ودوزخ کے مقامات ہونے سے انکار کر دیا اور انہیں انسانی ذات کی کیفیات بتائیں۔ آخرت سے مستقبل مراد لیا اور جبرائیل کی ذات سے انکار کرتے ہوئے ان کو انکشاف حقیقت کی روشنی کا نام دیا۔ تو جب اتنی اسلامی بنیادی اصولوں میں اس بدبخت کے نزدیک تبدیلی روا ہے۔ تو آخر وہ کونسے اسلامی اصول ہیں جو غیر متبدل ہیں۔ نعوذ باللہ اس کے نزدیک تو قرآن بھی عبوری دور کیلئے ہے، گویا کہ یہ لوگ اہل قرآن بھی نہ رہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے: کہ ''قرآن میں صدقہ وخیرات وغیرہ کیلئے جس قدر ترغیبات وتحریصات یا احکام وضوابط آتے ہیں وہ سب اسی عبوری دور (transitional period) سے متعلق ہیں۔''(۱) ایک جگہ لکھتا ہے: کہ ''وراثت، قرضہ، لین دین اور صدقہ وخیرات سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں، جس میں سے معاشرہ گزر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے۔''(۲)

بہرحال اس نے اسلام کے غیر متبدل اصول کا تذکرہ کیا ہے لیکن یاد رکھیں اسلام کے اصول یقیناً غیر متبدل ہیں ان اصول میں سے ایک اصل ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا بھی ہے

(۱) نظام ربوبیت: ۱۶۷ (۲) ایضاً: ۲۵

اور یہ عقیدہ قرآن پاک نے ہمیں بتایا ہے نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا ہے اور صحابہ کرامؓ اور علماء امت نے اس کو عہد رسالت سے تا ہنوز تواتر وتوراث کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا☆﴾(۱) یعنی محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں سب سے آخری پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جاننے والے ہیں۔

مطلب یہ کہ اب تک جتنے رسول آئے وہ صرف رسول اللہ تھے۔ محمد ﷺ رسول اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں اس آیت میں غور کرنے سے یہاں دو باتوں کا عقیدہ رکھنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں اور آپ ﷺ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ ﷺ کے متعلق صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کا عقیدہ رکھنا آپ ﷺ کی ذات پر ادھورا عقیدہ رکھنا ہے۔ گویا کہ محمد ﷺ کا امتیازی خصوصیت آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ہے۔ اب پرویز بھی کہتا ہے کہ میں بھی ختم نبوت کا قائل ہوں لیکن ایسا جیسا کہ میں سمجھا ہوں تو آیئے قرآن سے بھی پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے؟۔

گزشتہ باب میں قرآنی آیات سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام بنی نوع انسان کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام لوگوں کیلئے بشیر ونذیر مبعوث ہوئے ہیں' لہٰذا ہم بھی آپ ﷺ کی امت میں آ گئے اس لئے نبی کریم ﷺ ہمارے لئے بھی بشیر ونذیر ہیں لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا بشارت دینا اور ڈرانا ہمیں کس طرح معلوم

---

(۱) سورۃ الاحزاب☆ ۴۰

ہوگا؟ تو اس سوال کا حل بھی قرآن پاک ہی سے پوچھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک ہی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی خود حفاظت لی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک تا قیامت رہنے والی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی قرآن پاک نے بتایا ہے کہ اس کی تشریح کرنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے کہ میں ہی آپ ﷺ کو اس کی تشریح بتاؤں گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ کتاب اسی غرض سے نازل فرمائی کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی تشریح وتبیین فرمائیں گے جس کا مطلب واضح ہے کہ اس پر عمل کرنے کی تشریح خود نبی کریم ﷺ بیان فرمائیں گے۔ اب ایک اور سوال اُٹھتا ہے کہ رحلتِ نبی کریم ﷺ کے بعد ہم جیسے محروموں کیلئے قرآن پاک کی اس تشریح کی کوئی صورت باقی ہوگی یا نہ؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر آپ ﷺ کا ہمارے لئے بشیر ونذیر ہونا بے معنی بنتا ہے اور اگر آپ ﷺ کی تشریح کی کوئی صورت باقی ہے اور یقیناً باقی ہے تو وہ کیا چیز ہے؟ تو اس کا جواب آپ حضرات کو باب دوم میں وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث وسنت' نبی کریم ﷺ کی تشریحات قرآنی ہیں اس لئے اب ہمارے لئے نبی کریم ﷺ کی احادیث بشیر ونذیر کا کردار ادا کرے گی یعنی نبی کریم ﷺ کی احادیث کے ذریعے ہمیں نبی کریم ﷺ کا بشارت دینا اور ڈرانا معلوم ہوگا اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر تمام بنی نوع انسان کیلئے نبی کریم ﷺ کا مبشر و نذیر ہونا غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ تمام عالم انسانیت کیلئے عہد رسول کریم ﷺ سے تا قیامت آپ ﷺ کی ہدایات وتشریحات قابل عمل ہوں اور جب قرآن پاک کی رو سے نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تا قیامت پھر کوئی دوسرا نبی اور رسول نہیں آئے گا کیونکہ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات اور سیادت ورسالت ہی تمام عالم کیلئے کافی ہوں گی تو پھر چودھری پرویز کی تشریحات غلط ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے پہلے کسی مسلمان امتی نے یہ تشریح نہیں کی اور نہ کسی مسلمان نے اس بدبخت کی یہ تشریح قبول کی

ہے۔لہٰذا پرویز کی یہ تشریح قرآن وسنت اور تعامل وتوارث امت سے مردود ہے۔

قرآن پاک کی معنوی تحریف:

قارئین کرام! آپ حضرات کے سامنے منکرین حدیث کا قرآن پاک میں کفر والحاد بخوبی واضح ہوگیا لیکن مزید دونمونے پیش کئے جاتے ہیں تا کہ آپ حضرات کی ان کی تحریف معنوی کرنے پر شرح صدر ہو جائے۔ پہلا نمونہ سورۃ ال عمران کی چند آیتوں کا ہے پہلے ان کا صحیح ترجمہ لکھا جاتا ہے اس کو پڑھیں اور بعد میں چودہری پرویز کی قرآنی تحریف کو ملاحظہ فرماویں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ☆﴾ یعنی اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

اب چودھری پرویز کا ترجمہ پڑھیں۔''جو قوم اس راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرلے گی تو اس کی یہ راہ قابل قبول نہیں ہوگی۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آخرالامر تباہ وبرباد ہو جائے گا۔''

آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:﴿كيف يهدى الله قوما كفروا بعد ايمانهم و شهدوا ان الرسول حق وجاء هم البينٰت والله لا يهدى القوم الظٰلمين ☆اولٰئك جزاؤ هم ان عليهم لعنة الله والملٰئكة والناس اجمعين ☆لا يخفف عنهم العذاب و لا هم ينظرون☆الاالذين تابوا من بعد ذالك واصلحوا فان الله غفور رحيم﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کیونکر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلا شبہ رسول حق ہے اوران کے پاس واضح دلائل بھی آ گئے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا یہ وہ لوگ ہیں جن کی

سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں سب کی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔

اب چودھری پرویز کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: ''اس کے بعد مسلمان کی تاریخ سامنے لائی گئی جس میں کہا گیا ہے کہ ﴿کیف......﴾ بھلا سوچو کہ خدا اس قوم پر زندگی کی راہیں کس طرح کشادہ کر دے گا جس نے ایمان کے بعد کفر کی روش اختیار کر لی۔ حالانکہ ان کی طرف خدا کا واضح ضابطۂ حیات آ چکا تھا اور وہ آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے کہ ان کے رسول نے ضابطۂ حیات پر عمل پیرا ہو کر کس طرح تعمیری نتائج پیدا کر دکھائے تھے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اس قوم نے کفر کی راہ اختیار کر لی۔ سو ایسی ظالم قوم کو خدا کس طرح سعادتوں کی راہ دکھائے۔ ان کی اس روش کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم ان تمام آسودگیوں سے محروم ہو گئی جو نظام خداوندی سے وابستگی سے حاصل ہوئی تھیں اور ان تمام آسائشوں سے بھی محروم ہو گئی جو فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنے سے ملتی تھی حتی کہ ان کی ذلت وپستی کی وجہ سے دوسری قومیں بھی انہیں اپنے پاس نہیں آنے دیتیں اور دور دور رکھتی ہیں۔ اس بناء پر کہ انہوں نے اپنا نام مسلمان رکھ چھوڑا ہے ان کی اس تباہی میں کسی طرح کمی واقع نہیں ہو سکتی نہ ہی انہیں اس سے زیادہ مہلت مل سکتی تھی جتنی مہلت خدا کے قانون امہال وتدریج کی رو سے ملا کرتی ہے......

دیکھو سلیم! قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ اس امت کو جو سرفرازیاں شروع میں نصیب ہوئی تھیں وہ ان بینات (قرآن کے واضح قوانین) پر چلنے کا نتیجہ تھیں جو انہیں خدا کی طرف سے ملے تھے پھر جب انہوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تو یہ ان تمام برکات سے محروم ہو گئے۔''(۱)

(۱) سلیم کے نام سینتسواں خط: ۳۰/۷ ۱۹۷ تا ۱۹۹

دیکھیں قارئین کرام! چودھری پرویز کا ترجمہ بھی پڑھا ایک دفعہ فقیر کا تحریر کردہ صحیح ترجمہ دوبارہ پڑھیں اور اس کا مقابلہ اس بدبخت کے ترجمے کے ساتھ کریں پھر ان آیات کے ترجمے میں جو تحریف کی گئی ہے۔اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان آیات کا شان نزول بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اس بدبخت نے کہاں کا مطلب کہاں داخل کیا۔

شان نزول:

حارث بن سویدؓ نے اسلام قبول کیا پھر کافر ہوکر مرتد ہوکر اپنی قوم کی طرف چلا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں (۱) نازل فرمائیں اس کی قوم میں سے ایک شخص اس کے پاس گیا اور اسے یہ آیتیں سنائیں جس پر حارث بن سوید نے کہا کہ میں جہاں تک جانتا ہوں تو سچا ہے اور رسول اللہ ﷺ تجھ سے بڑھ کر سچے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم دونوں سے بڑھ کر سچا ہے اس کے بعد اس نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا اور اچھی طرح اسلام کے کاموں میں لگا رہا چونکہ آگے ﴿الا الذین تابوا الایۃ﴾ بھی آیا ہے اس لئے حارث بن سویدؓ نے اس استثناء پر نظر کی اور اسلام قبول کرلیا اور سچی توبہ کرلی۔(۲)

اس تشریح میں آپ حضرات کو معلوم ہوگیا ہے کہ چودھری پرویز کے نزدیک سارے مسلمان کافر ہوگئے ہیں اور ساتھ ساتھ تحریف قرآن کا اعلیٰ نمونہ بھی دیکھ لیا۔

دیکھیں آخرت سے آخر الامر ایک مرتد ہونے والے کے متعلق نازل ہونے والی آیات کو دور حاضر کے مسلمان پر چسپان کردیں اور ہدایت سے (دنیوی) زندگی کی راہوں کی کشادگی مراد لی ۔ شہادت اور گواہی سے آنکھوں کا مشاہدہ' معجزات سے واضح ضابطہ ٔ حیات' کے علاوہ رسول ﷺ کے برحق ہونے کی گواہی کی بجائے رسول نے ضابطہ ٔ حیات پر عمل پیرا ہوکر الخ۔ پھر کفار اور مرتد کی بابت نازل ہونے والی آیت کو مسلمانوں کو آخر میں

---

(۱)سورۃ آل عمران ۸۶تا۸۹(۲)انوار البیان :۲/ ۹۸،۹۰ بحوالہ تفسیر درمنثور :۲/ ۱۹

چسپاں کر دیا ہے۔ بلکہ اس سے چند قسم آگے بڑھکر آیت میں مذکور اللہ تعالیٰ سے نظام خداوندی، لعنت سے تمام آسودگیوں سے محرومی، فرشتوں سے فطرت کو مسخر کرنے والی قوت اور لوگوں کی لعنت کو دوسری اقوام کا ان مسلمانوں کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی اور دور دور رکھتی ہیں، بنا کر ڈالا۔

قارئین کرام! چودھری نے شیطان کی اس حد تک ترجمانی کی کہ اس نے اس دجل میں نہ صرف یہود ونصاریٰ کو مات کیا بلکہ اس نے شیطان کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈالا ہوگا۔

فقیر ان آیات میں تحریفات کا جواب دینا نہیں چاہتا کیونکہ صاحب بصیرت اور ترجمہ وعربی جاننے والے حضرات اسلام، دین، آخرت، ہدایت، ملائکہ اور لعنت وغیرہ کا معنی جانتے ہیں نیز ایمان اور کفر کو بھی جانتے ہیں اس نے ان کے معنی کس طرح الٹ پلٹ کیئے اور عذاب جہنم سے کیا بنا دیا، اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں۔ البتہ فرشتوں کی بابت صرف قرآن پاک کی تصریح پیش کی جاتی ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں اس نے فرشتوں سے ''فطرت کو مسخر کرنے والی قوت'' بنا دیا کیونکہ اس کے ہاں ملائکہ کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے، لیکن آیئے قرآن کیا کہتا ہے:۔

فرشتوں کے اوصاف:

عام فرشتوں کی بابت ارشاد عالی ہوتا ہے: ﴿بل عباد مکرمون☆لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون☆یسبحون الیل والنھار لا یفترون☆ وھم بامرہ یعملون☆﴾

حضرت جبرائیلؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ رشاد ہے: ﴿قل من کان عدوالجبریل فانہ نزلہ علی قلبك باذن اللہ الایۃ☆﴾ اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿نزل بہ الروح

الامین☆﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿انہ لقول رسول کریم ☆ذی قوۃ عند ذی العرش مکین☆ مطاع ثم امین☆وماصاحبکم بمجنون ☆ولقد راٰہ بالافق المبین☆﴾

فرشتوں کے اقسام:

(۱) حاملین عرش (۲) عرش کے ارد گرد طواف کرنے والے (۳) اکابرِ ملائکہ مثلاً حضرت جبرائیلؑ (۴) ملائکہ ارواح (۵) کراماً کاتبین (۶) ملائکہ حفاظت (۷) وہ فرشتے جو نظامِ عالم پر مؤکل ہیں (۸) ملائکہ جنت (۹) ملائکہ جہنم (۱۰) ملائکہ سیاحین جو ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوکر سیر ہوتے ہیں (۱۱) ملائکہ مقربین، جن کا مشغلہ تجلیات ربانی میں ہمہ وقت استغراق ہے لیکن فرشتوں کی صرف یہ تعداد نہیں یہ قسمیں تو اہل نظر نے اپنے ذوق کے مطابق بتائی ہیں تاہم فرشتوں کی اس قدر کثرت ہے کہ آسمان پر ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ مصروفِ عمل نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ فرشتوں کی تعداد اوران کی اقسام "عالم الغیب وحدہ لاشریك لهٗ" کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (۱) ﴿وما یعلم جنود ربك الاھو﴾

قارئین کرام! اب فقیر ایک ایسی سورت کا ترجمہ آپ حضرات کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے جس کے معنی ومطلب کو تقریباً ہر شخص جانتا ہے یعنی سورۃ الفاتحہ۔ آپ حضرات امت مسلمہ کے تراجم اور چودھری موصوف کے تراجم میں خود موازنہ کریں کہ اس نے کس دجل وتلبیس سے کام لیا ہے۔ فقیر آپ کے سامنے اپنے استاد محترم امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی تفسیر ذخیرۃ الجنان کا ترجمہ پیش کرتا ہے اور ساتھ ساتھ مقابلہ میں پرویز کا سورۃ الفاتحہ کی تفسیر وتشریح بھی پیش کرتا ہے۔ آپ دونوں ترجموں میں واضح فرق کو دیکھ لیں گے کہ پرویز نے کتنی تحریف کی ہے۔

---

(۱) نفع المسلم: ۱/ ۹

پرویزی ترجمہ وتفسیر	امام اہل سنتؒ کا ترجمہ
”زندگی کی ہر حسین نقشہ اور کائنات کا ہر تعمیری گوشۂ خلائق کائنات کے عظیم القدر نظام ربوبیت کی ایسی زندہ شہادت ہے جو ہر چشم بصیرت سے بے ساختہ دادِ تحسین لے لیتی ہے	شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ نظام جو تمام اشیائے کائنات اور عالمگیر انسانیت کو ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما سے تکمیل تک لئے جا رہا ہے عام حالات میں بتدریج اور ہنگامی صورتوں میں انقلابی تغیر کے ذریعے	تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا
انسان کو یہ تمام سامانِ نشوونما بلا مزدو معاوضہ ملتا ہے لیکن اس کی ذات کی نشوونما اور اس کے مدارج کا تعین اس کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے جن کے نتائج خدا کے اس قانون مکافات کی رو سے مرتب ہوتے ہیں جس پر اسے کامل اقتدار حاصل ہے۔	بیحد مہربان ہے نہایت رحم کرنے والا ہے
اے عالمگیر انسانیت کے نشوونما دینے والے! ہم تیرے اسی قانونِ عدل و ربوبیت کو اپنا ضابطۂ حیات بناتے اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق اپنی صلاحیتوں کی بھرپور اور متناسب نشوونما کرسکیں اور پھر انہیں تیرے ہی بتائے ہوئے طریق کے مطابق صرف کریں۔	جو مالک ہے جزا اور بدلے کے دن کا

ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں	ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ پروگرام اور طریق، جو انسانی زندگی کو اس کی منزلِ مقصود تک لے جانے کی سیدھی اور متوازن راہ ہے، نکھر اور ابھر کر ہمارے سامنے آجائے۔
چلا ہم کو سیدھے راستے پر	یہی وہ راز ہے جس پر چل کر پچھلی تاریخ میں، سعادتمند جماعتیں زندگی کی شادابی وخوشگواری، سرفرازی وسربلندی اور سامانِ زیست کی کشادگی وفراوانی سے بہرہ یاب ہوئی تھیں۔
راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا آمین رب تعالیٰ ایسا ہی کرے۔ (ذخیرۃ الجنان)	اور ان کا انجام ان سوختہ بخت اقوام جیسا نہیں ہوا ہے جو اپنے انسانیت سوز جرائم کی وجہ سے یکسر تباہ برباد ہو گئیں یا جو زندگی کے صحیح راستہ سے بھٹک کر اپنی کوششوں کو نتائج بدوش نہ بنا سکیں اور اس طرح ان کا کاروانِ حیات، ان قیاس آرائیوں کے سراب اور تو ہم پرستیوں کے پیچ وخم میں کھو کر رہ گیا۔'' (مفہوم القرآن از پرویز: پارہ اول/ اشائع کردہ میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور)

چودھری پرویز کی پوری کتاب ''مفہوم القرآن'' اسی تحریف والحاد سے بھر پور ہے جس کا نمونہ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ ان کا قرآن پر عمل اور قرآن کی سمجھ ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو، ہمارے والدین، ہمارے اہل وعیال، خاندان، اساتذہ وتلامذہ اور جملہ مسلمانان عالم کو منکرین حدیث اور دوسرے شر پسند اہل فتن کے شرور سے محفوظ فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے زیغ سے بچاتے ہوئے خاتمہ بالا یمان نصیب فرمائے آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد وآله واصحابه اجمعین۔

فقیر عبدالستار مروت غفرلہٗ ولابویہ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ م ۷ دسمبر ۲۰۱۷ م شب جمعہ بوقت **9:15**

دیگر تصنیفات فقیر عبدالستار مروت

(۱) دقائق السنن شرح اردو جامع السنن للامام الترمذیؒ جلد اول

(۲) تسکین الباری شرح اردو صحیح البخاری

(۳) تسکین اہل اللہ فی خلاصۃ کلام اللہ (جو کہ عنقریب منظر عام پر ان شاء اللہ آنے والی ہے)

(۴) تسکین الاصاغر فی مجربات الاکابر (تعویذات ووظائف اور ہومیو ویونانی نسخہ جات کا مجموعہ۔ عنقریب منظر عام پر ان شاء اللہ آنے والی ہے)

(۵) تسکین الخطباء (فقیر کے اردو خطبات)

(۶) تسکین الفریقین فی ترک رفع الیدین

(۷) تسکین الطلباء والطالبات فی مبادیات الصحاح والمشکوۃ

(۸) دو محبوب کلمے (بخاری کی آخری حدیث پر انتہائی پر مغز اور ایمان افروز درس)

(۹) معوذتین کی تفسیر

(۱۰) کھرے موتی

(۱۱) سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کی محدثانہ جلالت شان (جو کہ مکتبہ جبریل جیسے عظیم بین الاقوامی مکتبہ میں شامل کی گئی ہے۔)

(۱۲) تفسیر القرآن جو کہ دورۂ تفسیر میں علماء وطلباء کیلئے بیاض کے ساتھ ہوگا جس میں ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ ہر سورۃ اور ہر رکوع کا آپس میں ربط، موضوع، مختصر خاکہ اور خلاصۃ الخلاصہ مذکور ہوگا انشاء اللہ اور اس کے حاشیہ پر تقریباً ہر آیت کا مختصر خلاصہ بھی مذکور ہے۔ دینی مدارس کے طلباء کیلئے سکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلباء کیلئے ایک قیمتی مختصر تفسیر ہے۔ زیر ترتیب ہے۔ تکمیل کیلئے دعاؤں کی درخواست ہے۔

اور زیر نظر کتاب

(۱۳) حجیت حدیث وسنت